کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:18 Issue:7 July 2025

مدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ



درسِ قرآن

وہ پہلا گھر خدا کا

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ (آل عمران)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لیے بنایا گیا، یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے، (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دنیا جہان کے لوگوں لیے ہدایت کا سامان ہے، اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے، امن پا جاتا ہے، اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، ان پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا (فرض) ہے۔

توضیح: ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے، ان کا اعتراض یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیتے آئے ہیں، مسلمانوں نے اسے چھوڑ کر مکہ کے خانۂ کعبہ کو قبلہ کیوں مقرر کرلیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے؛ کیوں کہ خانۂ کعبہ تو بیت المقدس کی تعمیر سے بہت پہلے (عبادت گاہ کے طور پر) وجود میں آچکا تھا؛ لہذا اسے پھر سے قبلہ اور مقدس عبادت گاہ بنانا ہرگز قابلِ اعتراض بات نہیں۔

پھر اللہ رب العزت نے خانۂ کعبہ کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے چار چیزوں کا ذکر فرمایا:

۱) خانۂ کعبہ برکتوں والا ہے، یعنی اس میں دینی نفع ہے، چناں چہ ایک حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے: صلاة الرجل في بيته بصلاة و صلاته في مسجد القبائل بخمس و عشرين

---

* ذمہ دار مدرسہ ادارہ حسیب المدارس، کھٹکیسر

صلاۃ وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مئة صلاة ، وصلاته في المسجد الأقصى بخمسين ألف صلاة ، وصلاته في مسجدی بخمسين ألف صلاة ، وصلاته في المسجد الحرام بمئة ألف صلاة (مشکات شریف ص: ۷۲، باب المساجد ومواضع الصلاۃ) (آدمی کا اپنے گھر میں پڑھی گئی ایک نماز پر ایک ہی نماز کا ثواب ہے، اور قبیلے اور علاقے کی مسجد میں ایک نماز پر پچیس نمازوں کا ثواب ہے، اور جامع مسجد میں ایک نماز پر پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے، اور مسجد اقصی میں ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے، اور مسجد نبوی میں ایک نماز پر پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے، اور مسجد حرام میں ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ہے)۔

ایک نماز پر ایک لاکھ نمازوں کا ثواب تو اس شخص کو ملا جو وہاں نماز پڑھے اور جو لوگ وہاں نہیں ہے، اس کو اس طرح فائدہ پہونچتا ہے کہ خانۂ کعبہ کے ذریعے ان کو نماز کا رخ معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ کس جہت میں ہے۔

۲) وہیں مقام ابراہیم ہے، مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی، اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات موجود ہیں، اور اب یہ پتھر خانۂ کعبہ سے ذرا فاصلے پر ایک محفوظ مقام میں رکھا ہوا ہے۔

۳) جو شخص وہاں داخل ہو جاتا ہے، وہ امن پا لیتا ہے، چوں کہ خانۂ کعبہ کے حدود میں جو شخص داخل ہو جاتا ہے تو اب اس کو چھیڑ چھاڑ کرنا اور اس کو قتل کرنا - خواہ وہ مستحقِ قتل ہی کیوں نہ ہو - جائز نہیں ہے، گویا وہ اب وہ مقامِ امن میں داخل ہو گیا ہے۔

٤) اور جو خانۂ کعبہ تک پہونچنے کی استطاعت اور طاقت رکھتا ہے اس کے ذمے حج کرنا فرض ہے۔ چوں کہ شریعتِ اسلامیہ اتنی ہی ذمہ داری ڈالتی ہے جتنی کہ انسان برداشت کر سکے؛ اس لیے حج کی فرضیت کے چند شرائط ہیں: آزاد ہو، مسلمان ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، تندرست ہو، اس کی بینائی صحیح ہو، اس کا مال قرض میں گھرا ہوا نہ ہو، اس کے پاس ضروریات اصلیہ سے زائد سامان ہو، اسی طرح اس کے پاس وہاں تک پہونچنے کے لیے سواری کا انتظام ہو، اس کے پاس توشہ ہو، اور جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمے ہے، سفر کی مقدار کے برابر نفقہ دینے کے لیے موجود ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو حج جیسا اہم فریضہ ادا کرنے کی توفیق فرمائے۔ آمین



درسِ حدیث

دو نعمتیں؛ صحت اور فرصت

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ ابنِ عَبّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ (بخاری:4612)

ترجمہ:۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ اس کے نعمت ہونے کے باوجود (اُس سے کما حقہ استفادہ نہ کرکے اس خیال سے کہ ہمیشہ حاصل رہیں گے) خسارہ اور نقصان میں ہیں؛ ایک صحت اور دوسرے فراغت کی نعمت۔

تشریح:۔ انسان دنیا میں پُرسکون اور راحت بھری زندگی بسر کرنے کا آرزومند اور مشتاق رہتا ہے، ایسی زندگی کے حصول کے لیے وہ نعمِ آلہیہ اور انعاماتِ ربانیہ کا سراسر محتاج ہے، اور جب اسے ایسی بے بہا نعمتیں اور دولتیں حاصل ہوجاتی ہیں تو وہ بسا اوقات؛ بلکہ اکثر اپنے فطری غفلت و لاپرواہی کی وجہ سے خسارہ اور نقصان میں رہتا ہے؛ حالاں کہ نعمت کا تصور کرتے ہی ذہن و دماغ منافع وفوائد کی طرف چلے جاتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود دینی، روحانی اور اُخروی لحاظ سے ایسے لوگ گھاٹے اور نقصان میں ہیں۔

زیرِ نظر حدیث شریف میں رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے؛ بلکہ یوں سمجھیں کہ جو چیز مستقبل میں انسان کے لیے باعثِ خسران وندامت ہوسکتی تھی اس سے حال ہی میں آگاہ فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث آپ کی ان تعلیمات و ہدایات میں سے ایک ہے جو آپ کے نہ صرف خدا کے پیغمبر اور رسول ہونے کی بیّن دلیل ہے؛ بلکہ آپ کے حقیقی معنی میں معلّم و مربّی ہونے کی سچی شہادت بھی ہے۔

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں: دو نعمتیں بڑی عظیم دولتیں اور مفیدِ زندگی ہیں؛ اگر اس کا صحیح استعمال اور حقِ واقعی ادا کیا جائے، ایک تو صحت وتندرستی، مشہور شعر ؎

---

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

تنگدستی اگر چہ ہو غالب تندرستی ہزار نعمت ہے

بلا شبہ صحت و تندرستی ہی کی یہ دولت انسان عزت و فخر راحت و آرام اور فرحت مسرت کے ساتھ زندگی بسر کرسکتا ہے، مریضوں اور معذوروں کی حالتِ زار کو دیکھ کر عبرت لی جا سکتی ہے کہ کتنے ہی خود سے چل نہیں سکتے، کھا نہیں سکتے، دنیا کے لذائذ و نعم سے استفادہ نہیں کر سکتے، اس لئے نعمتِ صحت کی قدر کا تقاضا یہ ہے کہ جسم کو متوازن غذا دی جائے، ورزش کا اہتمام کیا جائے، جسم کی ظاہری صفائی ستھرائی کا بھرپور خیال رکھا جائے، عمر کے حساب سے ضرورت کے بقدر نیند لی جائے، وغیرہ، اور ان سب کے ساتھ اپنے جسم کی توانائی اور شباب کی قوت کا بہتر استعمال کرتے ہوئے رب تعالی کی عبادت و بندگی میں اپنے آپ کو مصروف و مشغول رکھا جائے، ورنہ یہ چیزیں ہاتھ سے جائیں گی (جس کا جانا کسی نہ کسی وقت طے ہے) تو زمانہ مرض وعذر میں کفِ افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

دوسری نعمت جس کی طرف حدیث میں آگاہی دی گئی فراغت کی ہے، زندگی میں فرصت کے لمحات کا درست استعمال انسان کو بڑی خوبیوں اور کمالات سے نوازتا ہے، اور اس کا حق مباح و پسندیدہ کاموں میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا ہے؛ جیسے دینی کتب کا مطالعہ، حسبِ حیثیت کوئی ہنر کا سیکھنا، حسبِ لیاقت سماجی خدمات میں لگنا، والدین کی خدمت اور رشتہ داروں سے ملاقات کا اہتمام، اہل اللہ کی صحبت و خدمت غنیمت، اور سب سے بڑھ کر عبادت و ذکر کا اہتمام فراغت کے اوقات کو کارآمد بناتی ہے، ورنہ وقت تو ہر ایک کا بس گزر رہا ہے، وقتِ فرصت کی نعمت دینے والا آزما رہا ہے کہ کون اس نعمتِ فراغت کو مفید اور کارآمد بنا رہا ہے، اور کون اس کا خون کر کے خود ہی خسارہ اور نقصان میں جا رہا ہے، نبی پاک ﷺ ہمیں ان دونوں نعمتوں کے بارے میں خبردار کر رہے ہیں کہ زوال و اختتام سے پہلے ان کی قدر کر کے ان کا صحیح استعمال کر لیں، ورنہ خسارہ اور نقصان مقدر ہوگا۔

ایک ایسے وقت جب کہ ہم نے زندگی کا ایک سال مکمل کر کے اگلے نئے اسلامی سال میں قدم رکھے ہیں، ماضی کے احتساب کے ساتھ ساتھ مستقبل کے لئے لائحہ عمل بھی طئے کرنا چاہیئے؛ بالخصوص اِس کا عزمِ مصمم کرنا چاہیئے کہ نئے سال کی شروعات ہی سے ہم صحت و تندرستی اور فرصت و فراغت کے اوقات کا بہتر استعمال کریں گے، جسم کی ظاہری طاقتوں کا گناہوں میں استعمال اور اوقات کا لایعنی اور فضول کاموں اور باتوں میں صرف عنداللہ مواخذہ کا سبب ہے۔

اللہ پاک ہمیں صحت و فراغت کی دونوں نعمتوں کی قدر دانی اور اس کا کما حقہ استعمال نصیب فرمائے، آمین۔

پیش گفتار

ایمان کو مضبوط کرنے کی فکر ضروری ہے

از: مدیر*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وسیدالمرسلین، خاتم النبیین، محمد وعلی آلہ اھل بیتہ وصحبہ أجمعین امابعد!

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃَ الایمان ان یکون اللہُ ورسولُہ احبَّ الیہ مماسِوَاھُما، وان یحبَّ المرءُ لاَخِیْہِ مایحبہ الا للہِ وان یکرہَ ان یعودَ الی الکفرِ کمایکرہ أَن یلقیٰ فی النارِ (بخاری:۱۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے درجات اور ایمان کی کیفیات کا تذکرہ فرمایا ہے، مختلف حدیثیں ایمان کے مظبوط اور مستحکم کرنے کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں کہ آدمی ایمان کے نقص اس کے زوال اور اس کے ضعف سے چوکنا رہے، فکرمند رہے، محض مسلمان ہوجانے کو کافی نہ سمجھے۔ اس زمانے میں محض مسلمان ہوجانے کو کافی سمجھا جارہا ہے، مسلمانوں کی اکثریت خاندانی طور پر مسلمان ہے، مسلم گھرانوں میں پیدا ہونے کی وجہ سے مسلمان ہے، انہیں اس کا پتہ ہی نہیں ہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟ اور ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ ایمان کیسے مضبوط ہوتا ہے؟ اور کیسے کمزور اور ضعیف ہوتا ہے؟ بس وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے بس! اگرچہ یہ ایمان بھی علماء کے نزدیک معتبر ہے اور وہ شخص مومن اور مسلم ہی کہلاتا ہے لیکن جب تک مسلمانوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ ایمان کے اور اسلام کے بھی درجات ہوتے ہیں اور ان درجات کا جاننا اور اپنے ایمان کو مکمل کرنا ہر مومن کی ذمہ داری ہے تب تک وہ ایمان کو مضبوط بنانے کی فکر نہیں کریں گے۔ ورنہ وہ ایسے کام کرتے رہیں گے جس سے ایمان کمزور ہوتا ہے اور انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا کہ یہ میرے ایمان کے خلاف ہے۔

* ادارتی صفحات پر مدیر محترم مدظلہ کا ایک خطبۂ جمعہ ہے، جسے مولانا احمد عبدالباری سفیان قاسمی زید فضلہ نے محفوظ کیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے ذہن میں ایمان کی تفصیل کچھ نہیں، وہ ہر گناہ کر رہا ہے حالانکہ گناہ چھوٹے سے چھوٹا ہو تو بھی ایمان کو مضمحل اور کمزور کر دیتا ہے، اور بڑے بڑے گناہ تو ایمان کا کوئی مقام باقی نہیں رکھتے، سوائے اس کے کہ وہ اپنی ذات میں باقی رہتا ہے، کیونکہ ایمان اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک آدمی ایمان کے خلاف کسی کام کا ارتکاب نہ کرے، اس وقت تک ایمان تو باقی رہتا ہے لیکن ایمان کی سطح گھٹتی جاتی ہے اس کو کچھ پتہ نہیں چلتا۔

صحابہ کرامؓ دن رات اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ ان کا ایمان مضبوط ہو جائے جب کہ ان کا ایمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک اور مؤثر صحبت کی برکت سے بہت مضبوط تھا، اس کے باوجود انہیں ڈر لگا رہتا تھا کہ ہمارا کوئی عمل ایمان کو کمزور نہ کر دے، ہماری کوئی بات ایمان کو کمزور نہ کر دے، اس لیے کہ ایمان کو آدمی کا قول بھی نقصان پہنچا سکتا ہے، فعل بھی نقصان پہنچا سکتا ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ کیا ہم اپنی زبان کے بولوں کی وجہ سے بھی جہنم میں جائیں گے؟ کیا ہمارے بول کا بھی حساب ہوگا؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا پوچھ رہے ہو؟ جہنم میں جانے والوں کی اکثریت تو اپنی زبان کی کمائی ہی سے جہنم میں جائے گی۔ **وھل یکب الناس فی النار علی مناخرھم الا حصائد ألسنتھم** اکثر جہنم میں جانے والے اپنی زبان کی کھیتیاں کاٹ کر جائیں گے تو زبان سے جو بول نکلتے ہیں اُن سے بھی یا ایمان مضبوط ہوتا ہے یا کمزور ہوتا ہے اور جو عمل ہم ہاتھ؛ پیر؛ آنکھ؛ ناک سے کرتے ہیں اس سے بھی یا ایمان مضبوط ہو رہا ہے یا کمزور ہو رہا ہے، ہر عمل کا یہی حال ہے یا تو ایمان کو مضبوط کر رہا ہے یا ایمان کو کمزور کر رہا ہے۔ چونکہ ہم اس پہلو سے غور نہیں کرتے، اس وجہ سے ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ ہمارے ایمان کا کیا حال ہے اور وہ کس سطح پر ہے؟ ایک خوش فہمی ہوگئی کہ ہم مومن ہیں مسلمان ہیں! ہمارے اسلام کو کون کیا کر سکتا ہے؟ یقیناً کوئی دوسرا تو کچھ نہیں کر سکتا ہے، نہ کوئی ڈاکہ ڈال سکتا ہے نہ کوئی چُرا سکتا ہے۔ لیکن ہم خود اپنے ایمان کو کمزور بھی کر سکتے ہیں طاقتور بھی کر سکتے ہیں، ضعیف بھی بنا سکتے ہیں قوی بھی بنا سکتے ہیں، ادنیٰ بھی کر سکتے ہیں اعلیٰ بھی کر سکتے ہیں، ناقص بھی کر سکتے ہیں کامل بھی کر سکتے ہیں، ہم خود کر سکتے ہیں دوسرا بے شک نہیں کر سکتا۔

ہر گناہ ایمان کے نقصان کا سبب ہے۔ نقصان؛ کسی چیز میں کمی کو کہتے ہیں، جب کمی ہوتی ہے تو ہوتے ہوتے کبھی وہ چیز ختم بھی ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر 100 روپے ہیں 10 روپے خرچ ہو گئے تو 90 رہ گئے اور 10 خرچ ہو گئے تو 80 رہ گئے اور 20 خرچ ہو گئے تو ہمارے پاس 60 رہ گئے 50 رہ گئے 40 رہ گئے 30 رہ گئے 20 رہ گئے 15 رہ گئے 10 پانچ / دو / ایک، اور وہ ایک بھی ختم ہو جا سکتا ہے نا؟ ایک روپیہ بھی نہیں رہے گا،

ایک پیسہ بھی نہیں رہے گا، ایسے ہی خدانخواستہ اگر ایمان بڑھانے کی فکریں نہیں ہورہی ہے اور ایمان گناہوں کی وجہ سے گھٹتا جارہا ہے تو اللہ نہ کرے ایک دن ایسا آئے گا کہ نفسِ ایمان بھی باقی نہ رہے، ایمان سرے سے ہی ختم ہوجائے۔ کیونکہ وہ ایک حقیقت ہے اس کو اگر ہم بڑھاتے رہیں گے تو بڑھے گا نہیں تو گھٹے گا۔

اس زمانے میں تو ایمان کے گھٹانے اور ختم کرنے کے اسباب بہت ہوگئے ہیں؛ کیوں کہ غارتگرانِ ایمان سوشیل میڈیا کے ذریعہ دماغوں پر چھاتے جارہے ہیں، حال یہ ہے کہ بد سے بدتر آدمی اپنے دل کی بات بول رہا ہے، اپنی بکواس بک رہا ہے اور وہ بات دیکھتے دیکھتے کروڑوں انسانوں تک پہنچ جارہی ہے، ہر جھوٹ پہنچ رہا ہے، ہر باطل پہنچ رہا ہے ہر گمراہی ہر جگہ پہنچ رہی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں دو حدیثوں کے مفہوم کو اکٹھا کرکے علماء نے فرمایا کہ قربِ قیامت میں علم گھٹتا جائے گا اور اسباب علم بڑھتے چلے جائیں گے، کیوں کہ ایک حدیث میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کی نشانی یہ ہے کہ علم بڑھ جائے گا اور ایک حدیث میں فرمایا قیامت کی نشانی یہ ہے کہ علم گھٹ جائے گا، ظاہر ہے نبی ﷺ متضاد باتیں تو نہیں بول سکتے، اس لیے علماء نے دونوں حدیثوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا کہ ایک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ علم گھٹے گا تو واقعی لوگوں میں علم صحیح کی کمی ہوتی چلی جائے گی، علمِ صحیح دھیرے دھیرے کم ہوتا چلا جائے گا اور علم بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وسائل علم بڑھتے چلے جائیں گے، اس دور میں باتیں پہنچانے کے ذریعے تو بہت ہوگئے ہیں لیکن باتیں صحیح کم ہیں غلط زیادہ ہیں، سچ کم ہے جھوٹ زیادہ ہے، حق کم ہے باطل زیادہ ہے، ہدایت کم ہے گمراہی زیادہ ہے، ایسی ہی مبہم اور مخلوط ومشتبہ معلومات عام ہورہی ہیں، جب علم صحیح گھٹے گا تو آدمی کے دین کو نقصان ہوگا، یقیناً ہوگا، اس لئے اس دور میں ایمان پر جینا مرنا چاہنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کے باقی رکھنے کی فکر کرے، اور ایمان ظاہر ہے کہ اعمالِ ایمان سے باقی رہتا ہے اور اُنہی سے مضبوط بھی ہوتا ہے اور جو اعمال کفر کے ہیں، فسق کے ہیں، نافرمانی کے ہیں، نفاق کے ہیں، ان سے ایمان گھٹتا اور کمزور ہوتا رہتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں یہ سب باتیں بیان کردی ہیں، کبھی فرمایا کہ یہ عمل نفاق میں داخل ہے، کبھی بتایا کہ یہ عمل ایمان میں داخل ہے، کسی عمل کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفر میں داخل ہے، ایک باب قائم فرمایا کہ **کفر دون کفر** ایک بڑا کفر ہوتا ہے اور ایک چھوٹا کفر ہوتا ہے، ہر معصیت ونافرمانی کفر ہی کی ایک شاخ ہے، اسی کا ایک حصہ ہے اور ہر طاعت وفرمانبرداری ایمان کا حصہ اور ایمان کی ایک شاخ ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا** چار صفتیں جس کے اندر ہوں گی وہ پکا منافق ہوگا (۱) بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے سچ بولنے کی عادت نہیں جھوٹ بولنے کی عادت پڑی

ہوئی ہے۔(۲) وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے۔(۳) کسی سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو بدزبانی کرتا ہے اور(۴) امانت رکھائی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔ دوسری حدیث میں معاہدہ توڑنا ایگریمنٹ کی خلاف ورزی کرنا بھی منافقت میں شمار فرمایا۔

حدیبیہ کے موقع پر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کے ایک رئیس کے ساتھ معاہدہ کر رہے تھے، معاہدہ لکھا جارہا تھا، ایک ایک شق وہ لکھارہا تھا اور حضور علیہ السلام منظوری دے رہے تھے، حالاں کہ معاہدے کی جو دفعات طے پا رہی تھیں وہ یکطرفہ اور ظالمانہ تھیں، مشرکوں کے سردار نے سب فائدے اپنی طرف رکھے تھے اور حضور علیہ السلام کی طرف کوئی فائدہ نہیں رکھا تھا، جیسے آج امریکہ کے پریسیڈنٹ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان میں صلح کرانے کے لیے مختلف فارمولے لے کے آتے رہتے ہیں، پوری دنیا کی میڈیا بولتی ہے کہ اب بال حماس کے پالے میں ہے اب وہ چاہے جیتے یا ہارے،۔ کیوں کہ ہم نے تو فارمولا دے دیا ہے۔ اور فارمولا کیسا ہوتا ہے؟ فارمولا ایسا ہوتا ہے کہ وہ قبول ہی نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس میں سامنے والے کو کوئی حق نہیں دیا جاتا، صرف اپنے حقوق لکھ لیے جاتے ہیں کہ اس اِس بات پر صلح کرلو، چاہے تمہارا سراسر نقصان ہی کیوں نہ ہو، ایسا ہی طریقہ مکہ کے مشرکین کا تھا، اور اللہ نے کسی حکمت سے اس وقت اس کو گوارا فرمالیا تھا اپنے نبی سے فرمایا تھا جو لکھا رہے ہیں وہ لکھ دو، اس لیے کہ فیصلہ میرے ہاتھ میں ہے، تم لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، نتائج نکالنا میرے ہاتھ میں ہے، میں فتح مبین کا نتیجہ نکالوں گا۔ تو حضور علیہ السلام نے سب قبول کرلیا یہ یک طرفہ معاہدہ تھا مثال کے طور پر اس میں یہ تھا کہ اگر کوئی مشرک مسلم بن کر مدینہ آجائے تو آپ ہم کو واپس کردیں گے اور اگر کوئی مسلم مرتد ہو کر مکہ آئے گا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے یہ وہی یک طرفہ بات ہے جو ٹرمپ صاحب کہتے ہیں ہمارے حقوق میں کمی نہیں آنی چاہیے تمہارے سب حقوق چھوڑ کے صلح کرلو۔ اس وقت دنیا میں جو عالمی عدالت ہے وہ صفر بٹا صفر ہے، وہ کسی کام کے لیے نہیں ہے وہ ظالموں کی مدد کے لیے قائم ہوئی ہے، مظلوموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہ انسانی حقوق کے تحفظ کا ڈھنڈورا پیٹنے والے یورپ کے ایک کتے کو تو انصاف دلا سکتے ہیں لیکن غزہ کے ایک معصوم بچے کو انصاف نہیں دلا سکتے، ان لوگوں سے کسی مظلوم کا کوئی فائدہ نہیں، کسی کمزور کا کوئی فائدہ نہیں، یہ بیان بازی سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتے، یہ جو بڑی طاقتیں ہیں یہ سب کچھ کرسکتی ہیں ظالم کا ہاتھ پکڑ سکتی ہیں لیکن نہیں پکڑتیں۔

خیر! میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ اللہ کے نبی کفارِ مکہ کے ساتھ معاہدہ کر رہے ہیں اور یک طرفہ ظالمانہ معاہدہ لکھا جارہا ہے، صحابہؓ کو پسند نہیں آرہا ہے، حضرت عمرؓ کا خون کھول رہا ہے، حضرت علیؓ قلم رکھ دینے کے

لیے تیار ہیں کہ میں ایسا ظالمانہ معاہدہ نہیں لکھوں گا، کوئی صحابی اس سے خوش نہیں ہے، سب کو تکلیف ہو رہی ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمایا: ٹھیک ہے لکھو، آپ کے حکم سے معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ اتنے میں ایک آدمی زنجیروں میں جکڑا ہوا آیا، ان زنجیروں میں گھسٹ کر آنے کی وجہ سے زخموں سے خون رس رہا ہے، اس سے چلنا نہیں ہو رہا ہے، وہ کسی طرح مکے سے نکل کے حدیبیہ پہنچ گیا، یہ آدمی مسلمان تھا اسی کا کافر باپ بیٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ لکھوا رہا تھا، یہ مسلمان زخموں سے چور ہے، آنکھوں میں آنسو ہے، نبی سے امید لگا یا ہوا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاہا کہ اس کی مدد کریں، پناہ دیں لیکن اس کے باپ نے کہا یہ وعدہ وفا کرنے کا پہلا موقع ہے، ابھی معاہدے میں ہم لکھا دیے ہیں کہ ہمارے آئے ہوئے آدمی کو آپ واپس دے دیں گے، یہ ہمارے پاس سے آیا ہوا آدمی ہے، واپس دینا پڑے گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی تو معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئی! تو کہا کہ اگر ایسا ہے تو معاہدہ ہی نہیں کریں گے، آپ نے کہا: ٹھیک ہے، آپ رحمت اللعالمین تھے، ایک مسلمان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے اتنی سخت اذیت میں دیکھ کر دل پسیج گیا تھا، آپ کے دل پر کیا گذر رہی تھی اس کا اندازہ ہر دل والا کر سکتا ہے، پھر بھی آپ نے فرمایا: میں عہد نہیں توڑ سکتا تم واپس چلے جاؤ، واپس بھیج دیا، وہ بے چارہ مایوس اور نامراد چلا گیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد نہیں توڑا، عہد پر قائم رہے کیوں کہ مومن عہد نہیں توڑتا، منافق عہد توڑتا ہے اور نبی تو کمال ایمان رکھنے والے تھے وہ کیسے عہد توڑ سکتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ چلے گئے تو کچھ مسلمان کفار سے بچ بچا کر مکے سے مدینہ منورہ میں پہنچ گئے، پیچھے ہی سے مشرکین آ گئے اور انھوں نے کہا کہ وعدہ وفا کیجیے لوگوں کو واپس کیجیے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ واپس چلے جاؤ۔ انھوں نے کہا: کہ یا رسول اللہ! ہم مومن ہیں آپ ہماری مدد نہیں کریں گے؟ حضور نے فرمایا: میں سب کی مدد کرتا ہوں لیکن وعدہ بھی نہیں توڑ سکتا، تم صبر کرو اللہ تمہیں اجر دے گا۔ واپس چلے جاؤ میں وعدہ نہیں توڑ سکتا، یہ تو اسلامی تعلیمات کا دور تھا، اسلام سے پہلے بھی نبی نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی تھی، بعد میں کیا کریں گے۔ فرمایا کہ منافق کی علامت یہ ہے کہ اگر معاہدہ کرے تو توڑ دے، جھوٹ بولے اور وعدہ خلافی کرے، امانت میں خیانت کرے اور جب بحث وتکرار کی نوبت آئے، کسی معاملے میں نزاع ہو جائے، اختلاف ہو جائے تو بدزبانی کرے، سخت کلامی کرے اگر یہ چار صفتیں کسی شخص کے اندر پائی جاتی ہیں تو وہ پکا منافق ہے۔

آج ہم مسلمانوں کی اکثریت میں چاروں صفتیں موجود ہیں پھر ایمان کیسے مضبوط ہوگا؟ ان منافقانہ اعمال سے ہمارا ایمان کمزور ہو رہا ہے۔ یہودی یہی چار صفتیں رکھتے ہیں امانت میں خیانت کرنا، جھوٹ بولنا، دیکھو! اسرائیل کتنا جھوٹ بول رہا ہے، اس کا کام ہی جھوٹ بولنا ہے، کیوں کہ سب صفتیں منافقوں کی یہودیوں میں

ہیں، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، وعدہ خلافی کرنا۔ سیز فائر کا وعدہ کیا تھا اور ایک وقت مقررہ کے بعد پھر دوسرا مرحلہ پھر تیسرا مرحلہ پھر کمپلیٹ سیز فائر تھا، اس کے لئے گواہ بنے، دستخطیں کی گئیں، جب اپنا کام نکل گیا تو پہلے ہی مرحلے میں غداری کر کے اب تک نسل کشی میں مصروف ہے، یہودی یہی کرے گا، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی کر رہے ہیں، پیغمبر کے ساتھ کیے ہیں تو ان کے امتیوں کے ساتھ اور وفاداروں کے ساتھ کیا نہیں کریں گے؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ یہ نبیوں کو قتل کرنے والی قوم ہے، جو قوم اپنے مفادات کے لیے خدا کے نبی کو نہیں بخشتی اس قوم سے کیا امید لے کے بیٹھے ہوئے ہیں، وہ تو ہمارے نبی کے معاہدے توڑ چکے ہیں، معاہدہ توڑنے ہی کے نتیجے میں تو حضور علیہ السلام نے بنو قریظہ سے مدینہ خالی کروادیا، جلاوطن کر دیا تھا جاؤ، اپنا جو سامان لے جا سکتے ہو لے کے چلے جاؤ یہاں سے، مگر اب یہاں نہیں رہ سکتے تم، اس لئے کہ تم نے عہد شکنی کی۔ ان لوگوں کے برخلاف نبی کا عہد کیسا تھا؟ ایمان والے کو دشمن کے ہاتھ میں دے دے رہے ہیں کہ بھائی لے جاؤ میں عہد نہیں توڑ سکتا، کیونکہ میں مومن ہوں، میں نبی ہوں، تو یہ وعدہ وفا کرنا، معاہدات کی پاسداری کرنا، ایگریمنٹس پر قائم رہنا، بدلنا نہیں مکرنا نہیں یہ مومن کی شان ہے، جب یہ عمل آئے گا تو ایمان مضبوط ہوگا اور جب وہ عمل آئے گا ایمان کمزور ہوگا۔

میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ دیکھو! ہم مسلمان ہیں لیکن مسلمان ہونا کافی نہیں ہے، اپنے اسلام کی حفاظت اور ترقی کی فکر بھی ضروری ہے۔ پتہ نہیں ہماری حرکتوں سے ہمارا اسلام کتنا کمزور ہوتا جا رہا ہے، کوئی مومن اپنے ایمان کی طرف سے غافل نہ رہے، ایمان ہے تو لا الہ الا اللہ کہنا بھی نجات کا سبب بن سکتا ہے، ایمان ہے تو راستے میں پڑی ہوئی ٹہنی کو ہٹا دینا بھی نجات کا سبب بن سکتا ہے، ایمان ہے تو پیاسے کتے کو پانی پلا دینا بھی مغفرت کا سبب ہوسکتا ہے، ایمان ہے تو ایک عمل بھی کافی ہوسکتا ہے، حتیٰ کہ بے عمل بھی سزا کے بعد یا بغیر سزا کے نجات پا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایمان کی سلامتی و ترقی کی فکر برابر جاری رہے۔ جب ایمان اتنی قیمتی چیز ہے تو اس کی حفاظت بھی تو کرنی چاہیے، اگر ہم اس کی حفاظت نہیں کریں گے تو دھیرے دھیرے ختم ہو جائے گا، اب سوال یہ ہے کہ ایمان کی سلامتی و ترقی اور پختگی کیسے؟ جواب یہی ہے کہ اعمالِ صالحہ کے ذریعے ایمان کو تقویت پہنچانا ہے۔ نماز نہ پڑھنا ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے، روزہ نہ رکھنا ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے، مال ہے صاحب نصاب ہے زکوٰۃ نہیں دیتا تو اس عمل سے ایمان ناقص ہوجاتا ہے ایمان کمزور ہوجاتا ہے، مالدار ہے اور حج نہیں کرتا تو ایمان ناقص ہوتا ہے، جہاد کی ضرورت ہے اور جہاد میں نہیں شریک ہوتا تو ایمان ناقص ہوتا ہے، قرآن کی تلاوت نہیں کرتا ایمان کمزور ہوتا ہے، اللہ کا ذکر نہیں کرتا ایمان کمزور ہوتا ہے، غرض جتنے اعمالِ

ایمان ہیں وہ ایمان کو مضبوط کرتے ہیں اور اگر اُنہیں چھوڑ دو تو ایمان کمزور ہو جاتا ہے، ہر معصیت سے ایمان کم زور ہوتا ہے، جھوٹ بولنے سے، بدنگاہی سے، نشہ خوری سے، زنا کاری سے، نامحرموں سے ملنے سے، نامحرموں کے ساتھ تعلق رکھنے سے ایمان ضعیف ہوتا چلا جاتا ہے، ایمان میں نقص آتا رہتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمیں دکھائی نہیں دیتا کیوں کہ ایمان ایک مخفی حقیقت ہے جو ہمارے دل کے اندر ہے۔

کتنے لوگ ہیں جو صبح سے شام تک نامحرموں سے تعلق میں لگے ہوئے ہیں، روزانہ اخبار میں خبریں آرہی ہیں کہ یہ لڑکی جو اپنے شوہر کی قاتل ہے یہ غیر محرموں کو روزانہ 15 سے 20 کال کرتی تھی، یہ ایک بڑے جرم میں پھنس گئی نہیں بچ سکی، اس کا منصوبہ فیل ہو گیا لیکن کتنی مسلم لڑکیاں ہیں جو صرف معاشقے کی وجہ سے نامحرموں سے روز بات کر رہی ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھ کر موٹر سائیکلوں پر کالج کو جاتے آتے ہیں، گھر پہ لا کے چھوڑ دیتے ہیں حالاں کہ وہ محرم نہیں ہے نامحرم ہے، اور نامحرم کے جسم کا نامحرم کے ساتھ لگنے سے بہتر ہے کہ آگ میں جل جائے، ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال ہم نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہمارے اللہ نے حکم دے دیا ہے، اس کے نبی نے یہ بات کہہ دی ہے، ہم اس کے آگے چوں و چرا نہیں کر سکتے، ہم اپنی موٹر سائیکل پر اپنی سگی بہن کو بٹھا کے لے جا سکتے ہیں لیکن خالہ زاد، چچا زاد، ماموزاد، پھوپی زاد بہن کو نہیں لے جا سکتے، امی کو بٹھا کے لے جا سکتے ہیں بھابی کو نہیں لے جا سکتے، بیوی کو لے جا سکتے ہیں سالی کو نہیں لے جا سکتے، کیوں؟ کیوں پوچھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے ہم اٰمنا صدقنا کہیں، یہی کافی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرما دیا ہے کیوں کا کوئی سوال نہیں، ہم اس پر عمل شروع کر دیں اور بس! قرآن کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تو نہیں پوچھا جا سکتا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ ہاں! وہ پوچھے گا ہر ایک سے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ہم بندے ہیں، ہم مخلوق ہیں ہمارا کوئی حق نہیں بنتا۔ لیکن یہ بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بے حکمت ہیں، اس کے احکام میں تو بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، اس نے اپنی حکمت سے فرما دیا کہ تم یہ کر سکتے ہو یہ نہیں کر سکتے، تم فلاں کو دیکھ سکتے ہو فلاں کو نہیں دیکھ سکتے، تم فلاں کو چھو سکتے ہو فلاں کو نہیں چھو سکتے، یہ اللہ نے قانون بنا دیا، اگر ہم اس کے احکام پر عمل نہیں کریں گے تو ہمارا ایمان کمزور ہو جائے گا، اور یہ سلسلہ چلتا رہے تو ڈر ہے کہ کہیں خدانخواستہ ایمان ہی نہ ختم ہو جائے۔ جیسے بعض بعض لوگ خدا جانے سچے ہیں یا جھوٹے ہیں یا فرضی ہیں لیکن سوشل میڈیا پہ آتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ ہم ایکس مسلم ہیں ہم کبھی مسلمان ہوا کرتے تھے۔

تیس پینتیس سال پہلے کی بات ہے کہ اسی مسجد میں ایک نوجوان آئے، یہاں قریب میں ایک ہاسپٹل ہوا کرتا تھا، اِس کے لیاب میں کام کرتے تھے، انہوں نے آ کر کہا کہ میں اس لڑکی کو لے کر آیا ہوں یہ کرسچن ہے

مسلمان ہونے کے لیے تیار ہے اور میں اس کو مسلمان بنا کے نکاح کرنا چاہتا ہوں، لیب میں دونوں کام کرتے تھے ایک دوسرے کو پسند آ گئے اور وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوگئی، چلو ٹھیک ہے، میں جو بات بتانا چاہ رہا ہوں وہ غور سے سننے کی ہے جب اس لڑکی سے ہم نے پوچھا کہ کیا تم صرف شادی کے لیے مسلمان ہونا چاہ رہی ہو یا دینِ اسلام اچھا لگ رہا ہے؟ دین پسند آیا یا یہ لڑکا پسند آیا؟ اس لئے کہ جب تک کہ تم دین کو پسند نہیں کرو گی تمہارے اسلام کا اعتبار کیسے ہوگا؟ اللہ رسول کو پہچانتی ہو، اسلام کے بارے میں جانتی ہو؟ تو اس نے کہا میں سوچ کے جواب دوں گی پھر وہ جواب دینے کے لیے آئی نہیں تو یہی مسلم نوجوان دوبارہ آ کر مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا! آپ اس کو مسلمان بناتے ہیں یا میں عیسائی بن جاؤں؟ یہ ہے آج ہمارے ایمان کی حالت؟ اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ ایمان کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، صرف ایمان ہونا کافی نہیں ہے۔ یہ کیسا ایمان ہے کہ ایک گوری چمڑی پر ایمان کی قربانی دینے کے لیے تیار ہو گئے! ایمان اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ جان دی جا سکتی ہے پر ایمان کا سودا نہیں کیا جا سکتا۔ ماشاءاللہ ہم سب مومنین ہی ہیں، ہمارے اندر ایمان کی ایک چنگاری ہے اس کو شعلہ بناؤ، یہ چنگاری کام کر بھی سکتی ہے نہیں بھی کر سکتی ہے، کبھی خود بھی بجھ جا سکتی ہے اس لیے اس کو شعلہ بناؤ، طاقتور بناؤ، ایمان اعمالِ ایمان سے طاقت ور بنتا ہے اور اعمال کفر سے اور فسق و فجور سے کمزور ہوتا ہے، اس لیے کمال ایمان کی فکر ہر مومن کو کرنا چاہیے کہ میرا ایمان مضبوط رہے جیسے صحابہؓ کا صحابیاتؓ کا ایمان مضبوط تھا۔

اُن کا ایمان کتنا مضبوط تھا دیکھو! ایک شخص نے مکے سے ایک مومن لڑکی کو خط لکھا کہ آپ یہاں تھیں، میرا شروع سے ارادہ تھا کہ جب بھی نکاح کرنا ہے آپ کو پیغام دے کر آپ سے نکاح کروں گا، مجھے پتہ چلا کہ آپ تو مدینہ چلی گئیں مگر میرا تو ابھی بھی آپ سے نکاح کرنے کا ارادہ ہے، جواب میں اس خاتون نے کہا: میں آپ کو جانتی ہوں آپ جیسے شریف آدمی سے نکاح کرنے میں مجھے کوئی انکار نہیں ہے سوائے اس کے کہ دو دین والوں کے درمیان نکاح نہیں ہوتا، میں مومن ہوں اور اگر آپ بھی مومن ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں میں نکاح کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن مومن ہونے کی علامت یہ ہے کہ ہجرت کر کے مدینہ آنا پڑے گا، بغیر مدینہ ہجرت کیے ہوئے کسی کو (اس دور میں) مومن نہیں مانا جاتا تو آپ ہجرت کر کے آ جائیں تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لڑکی کا یہ دو ٹوک جواب تھا، یہ ایمان والی خاتون کا جواب تھا۔ ہر مومن کے دل میں ایمان اتنا طاقتور ہونا چاہیے، یہ بھی ایک عورت ہے لیکن اس عورت کو دیکھیے گھر بار چھوڑا، وطن چھوڑا، رشتہ دار چھوڑے، مدینے میں جا کے تنِ تنہا پڑی ہوئی ہے اور اس کے باوجود وہ نکاح کرنا چاہنے والے سے ایمان کی شرط رکھتی ہے، ایمان نہیں تو کچھ نہیں۔

آج ختم نبوت کے خادموں کو کتنی جگہوں پر بے دینوں سے رشتے طے ہونے کے بعد جا کے منت کرنی پڑ تی ہے خوشامد کرنی پڑتی ہے کہ یہ قادیانی ہے یہ شکیلی ہے اور یہ گمراہ ہے، یہ مرتد ہے،اس سے اپنی بیٹی کا نکاح مت کرو، صاف صاف بتانے پر بھی لوگ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے، اور وہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟ یعنی ہم ایماندار رہیں یا بے ایمان ہو جائیں آپ کچھ نہ بولو۔ یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ اس لئے کہ ایمان کمزور ہے ایمان طاقتور ہوتا تو ذرا سے شبہ پر بھی آدمی کہتا کہ اکیلے رہ جائیں گے مگر ایمان غارت نہیں کریں گے، مومن لڑکی بھی یہی کہتی اور مومن لڑکا بھی یہی کہتا۔ قرآن کہتا ہے کالا کلوٹا غریب غلام ہے مگر مومن ہے تو اس سے نکاح کرلو لیکن ایسے مال دار خوبصورت پڑھے لکھے بے ایمان سے مت کرو۔ یہ قرآن ہم کو ترغیب دے رہا ہے لیکن ہم قرآن نہیں پڑھتے نا، اگر ہم قرآن پڑھتے ہوتے تو ہمارا ایمان بنتا، ہمارا یقین بنتا کہ اللہ ہماری رہنمائی کررہا ہے ہم اس کی رہنمائی سے نہیں ہٹنے والے ہیں۔

بہرحال دوستو! عزیزو! ہم مومن ہیں اس میں کوئی شک نہیں، اللہ ہمیں ایمان پر زندگی موت نصیب فرمائے، ہم ہیں مومن لیکن اس ایمان کو بڑھائیں گے تو بچنے کی امید ہے، ایمان بڑھانے کی فکر نہیں کریں گے تو گھٹتے گھٹتے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے اپنے ایمان کی فکریں کرو! اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو توفیق عمل نصیب فرمائے، ایمان کی قدر و قیمت بتادے، اللہ ہمارے دلوں کو ایمان کی قیمت، اس کی عزت اور اس کی عظمت کا احساس نصیب فرمادے، اور اس کے لیے فکریں کرنے کی اور اسے مضبوط کرنے کی اور اسے طاقتور بنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین و اخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت درہؓ بنت ابی لہب

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم ابولہب کی بیٹی تھی، باپ کی اسلام دشمنی کی کیفیت تو یہ تھی قرآن کریم میں نام لے کر اس کی مذمت کی گئی، ابولہب تباہ و برباد ہوگیا، لیکن اللہ عزوجل نے بیٹی کو شرف اسلام سے بہرہ ور کردیا، قبول اسلام کے بعد عظیم صحابیات میں ان کا شمار ہوا۔ (اسد الغابۃ، درہ بنت ابی لہب: ۷/ ۱۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نکاح:

ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کے فرزند حارث رضی اللہ عنہ سے ہوا، ان کی صلب سے ان کے تین بیٹے: عتبہ، ولید اور ابومسلم پید ہوئے، ان کے شوہر اور ان کے خسر نے غزوۂ خندق سے پہلے قبول اسلام کیا، خسر (نوفل بن حارث) شرفِ ہجرت سے بھی بہریاب ہوئے، لیکن شوہر (حارث بن نوفل) اس سعادت سے محروم رہے۔ بلکہ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ قبولیت اسلام کے بعد دائرہ کفر میں داخل ہوگئے، بحالت کفر جنگ بدر میں انتقال ہوا ''**فولدت له الوليد، وأبا الحسن، وأسلم، ثم قتل يوم بدر كافرا، فخلف عليها دحيه بن خليفه الكلبى**''۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، درۃ بنت ابی لہب: ۸/ ۱۲۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

مدینہ منورہ کی ہجرت:

البتہ حضرت درہؓ کے حوالے سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے ہجرت کا بھی شرف حاصل کیا، علامہ ابن اثیر نے ''اسد الغابۃ'' میں لکھا ہے کہ وہ مدینہ پہنچ کر حضرت رافع بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کی کے گھر فروکش ہوئیں، بنوزریق کی عورتیں ان سے ملنے آتیں اور کہتیں: ''کیا تم اسی ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں سورہ ''تبت

* استاذ فقہ و ادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

یدا أبي لهب'' نازل ہوئی، تم کو ہجرت کا کیا ثواب ملے گا؟''۔''فقال لها نسوة جلسن إليها من بني زريق، أنت ابنة ابی لهب الذی يقول الله له (تبت يدا ابی لهب و تب) فما يغنى عنك مهاجرتك''۔

(اسد الغابة: درة بنت ابی لہب: ۷/ ۱۰۳، دار الکتب العلمية، بيروت)

حضرت درہ رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا، پھر ظہر کی نماز کی ادائیگی کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''لوگو! تم میں سے بعض میرے خاندان کے بارے میں دل آزاری کرتے ہیں، انہیں ٹھیس پہنچاتے ہیں، خدا کی قسم میرے اقرباء کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی، یہاں تک کہ صداء، حکم اور سلہما (تین قبائل جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دور کی قرابت تھی) وہ بھی اس سے مستفید ہوں گے۔(فو الله إن شفاعتي لتنال بقرابتي حتى إن صداء و حكما و سلهما لتنالها يوم القيامة''(حوالہ سابق)۔

روایات:

ان سے کئی روایات مروی ہیں، ان میں چند روایات یہ ہیں:

۱۔ایک دفعہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ لوگوں میں بہتر کون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں زیادہ علم رکھتا ہو، جس میں تقویٰ زیادہ ہو، جو لوگوں کو اچھے کاموں کا زیادہ حکم دے، برے کاموں سے خوب روکے اور بہت صلہ رحمی کرے''۔''قام رجل إلى النبي صلى الله عليه وآله وسلم وهو على المنبر، فقال: يا رسول الله، أي الناس خير؟ فقال: خير الناس أقرؤهم، وأتقاهم، وآمرهم بالمعروف وأنهاهم عن المنكر، وأوصلهم للرحم''(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، ابن عبد البر، درہ بنت ابی لہب: ۴/ ۱۸۳۶، دار الجیل، بیروت)

۲۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی مردہ کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جاسکتی''۔ ''لا يؤذى حي بميت''(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ، ۸/ ۱۲۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابۃ'' میں لکھا ہے کہ حضرت درہؓ نہایت فیاض، سخی تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔

وفات:

حضرت درہؓ کے سن وفات اور مزید احوال کا علم نہیں۔

تذکارِ صحابہؓ

سیدنا عمر فاروقؓ: ملت اسلامیہ کے معمارِ اعظم

از: مولانا محمد مجیب الرحمٰن تمیم قاسمی*

دلبر و جانم، عدل کا پرچم، فاتحِ عالم، کفر پر ماتم، خلیفۂ دوم، فاروقِ اعظم، مرادِ قلبِ رسول، خسرِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دامادِ علی مرتضیٰ، فاتحِ بیت المقدس، شہیدِ منبر و محراب، انتخابِ رب العالمین، وزیرِ خاتم المرسلین، وکیلِ اُمّ المومنین، فاتحِ قیصر و کسریٰ، استعارۂ عدل و انصاف، سپہ سالارِ حق، میدانِ عدالت کے نیرِ تاباں، شجاعت و جرأت کے کوہِ گراں، باطل کے لیے شمشیرِ بے نیام، اقطارِ عالم کے امام؛ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، صحابۂ کرام، حضراتِ انبیاء اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں۔ آپ مرادِ نبی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سے مانگ کر آپ کو طلب فرمایا۔ آپ کی رائے کے مطابق متعدد آیاتِ قرآنی کا نزول ہوا۔ لسانِ نبوت نے فرمایا: "لو کان بعدی نبیّ لکان عمر" اور مزید فرمایا: "جس گلی سے عمر گزرتے ہیں، وہاں سے شیطان نہیں گزرتا۔"

حضرت عمرؓ، تاریخِ اسلام کا روشن مینار اور تابندہ کردار ہیں۔ وہ مردِ مومن جنہوں نے سب سے پہلے اعلانیہ ہجرت کی، جن کے نام سے کفر لرز اٹھتا، جن کے سائے سے شیطان بھاگ جاتا۔ جن کے اسلام لانے پر کفار انگشت بدنداں رہ گئے۔ جنہوں نے خلافت میں مکہ سے مدینہ تک اسلامی چھاؤنیاں قائم کیں، دریائے نیل نے آپ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ آپ ہی کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "عمر کی وفات پر اسلام روتا رہے گا" (طبرانی) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: "ما طلعت الشمس علی رجلٍ خیرٍ من عمر" (مستدرک حاکم) حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے فرمایا: "إن مات عمر رق الإسلام" (طبقات) حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا: "شہادتِ فاروقؓ سے اسلام میں ایسا شگاف پڑ گیا جو قیامت تک بند ہوتا نظر نہیں آتا۔" حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "خدا کی قسم! حضرت عمر فاروقؓ تیز فہم اور دور اندیش تھے۔" حضرت علیؓ نے آپ کو کئی القابات سے یاد کیا: رجل مبارک، قوی امین، رشید الامر، امام الھدیٰ (تاریخ الامم، طبقات)

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ان سب رفعتوں کے باوجود آپ حد درجہ متواضع، عبدیت و بندگی کے اعلیٰ معیار پر فائز، خوف وخشیت، تقویٰ وللّٰہیت کے بلند مینار تھے۔ زندگی سادہ، غذا بے تکلف، لباس معمولی جس پر 17، 17 پیوند لگے ہوتے۔ حضرت عمرؓ کی رائے اس قدر دین میں رنگی ہوئی تھی کہ کئی مواقع پر اس کے مطابق قرآن کی آیات نازل ہوئیں۔ عادل ایسے کہ "عمر" کہہ لیں یا "عدل"، ایک ہی بات ہے۔ غیور ایسے کہ نبی ﷺ کو جنت میں آپ کا محل دیکھ کر آپ کی غیرت یاد آ گئی۔ کتاب اللہ کا ادب ایسا کہ اس کا حکم سنتے ہی پگھل جاتے۔ سادگی ایسی کہ بیرونی سفیر آپ ہی سے امیر المؤمنین کے بارے میں دریافت کرتے۔ جری ایسے کہ قیصر وکسریٰ آپ کا نام سن کر لرزتے۔ محتسب ایسے کہ اپنا اور اپنے اہلِ خانہ کا محاسبہ کرتے اور دوسروں کو بھی باز پرس کا پورا حق دیتے؛ اسی لیے ایک عورت کھڑے ہو کر کہہ دیتی ہے: "عمر کون ہوتا ہے جو ہمارا حقِ مہر مقرر کرے؟" مسئولیت کا ایسا ڈر کہ فرماتے: "اگر فرات کے کنارے ایک جانور بھی پیاسا مر جائے تو میں خود کو جواب دہ سمجھوں گا۔" منتظم ایسے کہ محاذ سے لے کر والیوں تک ہر وقت کی رپورٹ لیتے۔ اشاعتِ اسلام میں ایسا کردار کہ غیر مسلم بھی کہنے لگے: "اگر ایک اور عمر ہوتا تو پوری دنیا پر اسلام کا پرچم لہرا چکا ہوتا۔" عجز وانکساری کا عالم کہ فرماتے" کاش مجھے برابر سرابر ہی چھوڑ دیا جائے۔" عقیدۂ توحید ایسا کہ حجرِ اسود سے مخاطب ہو کر فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ تُو نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ اگر نبی ﷺ نے تجھے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بھی نہ دیتا۔" شہادت کی آرزو ایسی کہ اللہ نے مدینہ ہی میں نہیں، مسجدِ نبوی میں شہادت نصیب فرمائی اور "شہیدِ محراب" کہلائے۔ امر بالمعروف کا ایسا اہتمام کہ موت تک اس فریضے سے غافل نہ ہوئے۔ خلافت کا ایسا خیال کہ اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لیے شوریٰ مقرر فرمائی۔ اللہ کے احکامات پر عمل ایسا کہ نبی ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت عائشہؓ سے لے کر پائی۔ حضرت عمرؓ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہیں "امیر المؤمنین" کہا گیا۔ آپ ہی نے ہجری تقویم کا آغاز کیا۔ نمازِ تراویح کو جماعت کے ساتھ رائج فرمایا، 900 جامع مساجد اور 4000 عام مساجد تعمیر کیں، مؤذّنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کا نظام قائم کیا، دفاتر اور وزارتیں بنائیں، محکمۂ مال، ڈاک، پولیس، عدلیہ، جیل، آب پاشی، فوج اور فلاحی نظام قائم کیا۔

آپ نے دنیا میں پہلی بار دودھ پیتے بچوں، معذوروں، بیواؤں اور بے سہاروں کے وظائف مقرر کیے۔ ظالم قاضیوں کو سزا دینے کا رواج ڈالا۔ آپ کے عہد میں حج کے مہینے میں تمام صوبوں کی رپورٹیں پیش کی جاتیں، مالیات کا حساب ہوتا، حکام کا محاسبہ ہوتا، مظلومین کی دادرسی کی جاتی، اور ہر گورنر کو اعلان دیا جاتا کہ: "عوام کی خدمت کو مقدم رکھے، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سے پرہیز کرے، دروازہ عوام کے لیے کھلا رکھے، باریک

کپڑے، چھنے آٹے، دربان اور تر کی گھوڑوں سے اجتناب کرے۔" راتوں کو قافلوں کی نگرانی خود کرتے۔آپ نے افتاء وقضاء کا نظام قائم کیا، بیت المال کو وسعت دی، اسلامی فتوحات کو 22 لاکھ مربع میل تک پھیلا دیا۔اسی دور میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ بیت المقدس کو فتح کیا۔نظم ونسق، امن وامان، فتح ونصرت، اور تعمیر وترقی کے ہر پہلو سے آپ کا دور خلافت سب سے مثالی ہے۔فرماتے تھے:" جو حکمران عدل کرتے ہیں وہ راتوں کو بے خوف سوتے ہیں۔" آپ کی مہر پر لکھا تھا:" عمر! نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔" آپ کے دستر خوان پر دو سالن کبھی نہیں رکھے گئے، دورانِ سفر جہاں نیند آئی، وہیں زمین پر اینٹ رکھ کر سو گئے۔ پھٹے کپڑوں پر پیوند لگاتے۔یہی وہ عظیم کردار ہے جس پر مستشرقین بھی اعتراف کرتے ہیں:" اگر اسلام میں ایک اور عمر ہوتا، تو دنیا میں صرف اسلام ہی دین ہوتا۔"

وہ آدھی دنیا کا حکمران تھا، وہ حکمران بھی مگر کہاں تھا
بپھرتی موجوں پہ حق پرستی کی سادہ کشتی کا بادباں تھا
بڑا مبارک ہے نام اس کا، ستاروں جیسا مقام اس کا
وہ ایک شاہین صفت مجاہد، جو سوئے منزل رواں دواں تھا
ابھرتے سورج سے تاج مانگا، سمندروں سے خراج مانگا
کسے خبر ہے کہ اس کا سکہ، جہاں میں جاری کہاں کہاں تھا
حسن سے پوچھو، علی سے پوچھو، تم اس کے بارے نبی سے پوچھو
اندھیری شب میں چراغ بن کر، جو ساری دنیا میں ضوفشاں تھا

ایک مجوسی غلام ابولولو فیروز نے فجر کی نماز کے دوران آپ پر خنجر سے وار کیا تو زمین کانپ اُٹھی، آپ نے اپنی زخمی حالت میں بھی نماز ترک نہ کی، تین دن کی کربناک تکلیف کے بعد جرأت وشجاعت، عدل وانصاف کا یہ روشن ستارہ غروب ہو گیا اور آپ کو شہادت کی عظیم سعادت نصیب ہوئی، آپ کی حیات وخلافت نے ہر مسلم حکمراں اور ذمہ دار کے لئے مثالی نظامِ حکومت اور خالص اسلامی کردار کا نقش چھوڑا ہے، جس کی تقلید امت اور اجتماعیت کے حق میں مفید ثابت ہوگی۔

تذکارِ صحابہؓ

حضرت حسین بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما

فضائل واحوال

از: مولانا عبدالصمد ساجد*

نواسۂ رسول، شہیدِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ آپؓ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء اور شیرِ خدا خلیفۂ چہارم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے لختِ جگر اور نواسۂ پیغمبر علیہ السلام ہیں۔ مؤرخِ اسلام مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس لحاظ سے آپ کی ذاتِ گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی۔'' (سیر الصحابہؓ: ۱/ ۱۳۱) سیدنا حضرت فاطمہؓ کو حق تعالیٰ نے تین بیٹوں حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت محسن رضی اللہ عنہم، اور دو بیٹیوں سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ سے نوازا۔ حضرت حسینؓ آپ کی اولادِ امجاد میں دوسرے نمبر پر ہیں۔

نام ونسب: آپ کا اسمِ گرامی حسین، کنیت ابوعبداللہ اور ''سید شباب أہل الجنۃ'' اور ''ریحانۃ النبی'' لسانِ نبوت سے ملے القاب ہیں۔ شجرۂ عالیہ یہ ہے: ''حسین بن علی بن أبی طالب بن ہاشم القرشی الہاشمی۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۶۰) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد مبارک فرمایا: ''حسن اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (سنن الترمذی: ۳۷۶۸) نیز ابن ابی نعیمؒ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس موجود تھا، ایک شخص نے آپؓ سے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کیا (کہ اگر محرم کے لباس کو لگ جائے تو کیا حکم ہے؟) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ: عراقی ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: اس شخص کو دیکھو! یہ مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں پوچھ رہا ہے، حالاں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے (نواسے) کو شہید کر ڈالا، میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: یہ (حسنؓ وحسینؓ) دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔'' (صحیح البخاری، رقم: ۵۹۹۴)

پیدائش، نام اور ابتدائی حالات: باغِ نبوت کے پھول سیدنا حضرت حسینؓ کی ولادت سے قبل ہی بذریعہ خواب پیدائش کی بشارت دے دی گئی تھی، مستدرک للحاکم میں ہے: ''حضرت عباسؓ کی زوجہ حضرت امِ فضلؓ سے روایت ہے کہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ!

رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: کیسا خواب ہے؟ عرض کی: بہت بُرا! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا ہے وہ؟ عرض کی: میں نے دیکھا ہے کہ گویا آپ کے بدن کا کوئی ٹکڑا کٹ کر میری گود میں آ گیا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعبیر بیان فرمائی کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، فاطمہ کے ہاں بچہ پیدا ہوگا، وہ تمہاری گود میں ہوگا (تم اُسے دودھ پلاؤ گی)، چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے،تو میری گود میں آئے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسینؓ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں ڈال دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے رواں تھیں۔حضرت اِم فضلؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہوا ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اورانہوں نے خبر دی کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو شہید کردے گی۔ میں نے عرض کی: کیا یہ بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اور وہ میرے پاس اس کی (خون آلود) سرخ مٹی کا کچھ حصہ بھی لائے ہیں۔'' (مستدرک حاکم: رقم الحدیث: ۴۸۱۸)

آپ کی تاریخِ پیدائش میں مؤرخین کے مختلف اقوال ہیں: تاریخ ابن کثیر میں ۳، ۴ اور ۶ ہجری کا قول درج ہے، جبکہ شاہ معین الدین ندویؒ نے ۴ ہجری اور مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ نے ۵ ہجری لکھا ہے۔سیدہ خاتونِ جنتؓ کی گود جب سبطِ رسول خوشبوئے نبوت سے مہکی تو آنحضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفسِ نفیس تشریف لائے، اپنے نومولود کو اپنے دستِ مبارک میں اُٹھایا، گھٹی دی، لعابِ دہن منہ میں ڈالا اور خوب صورت نام ''حسین'' رکھا۔(ابن کثیر: ۸/ ۱۶۰) نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے کان میں اذان دی اور ساتویں روز عقیقہ کیا۔(مستدرکِ حاکم، رقم: ۴۸۲۷۔المعجم الکبیر: ۹۲۶) حضرت حسین رضی اللہ عنہ ''خامس أہل الکساء'' ہیں، یعنی ان پانچ مبارک شخصیات میں سے ہیں کہ آیتِ تطہیر اُترنے کے بعد جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیتِ تطہیر کے مصداق میں داخل اور شامل فرمایا۔(اسد الغابہ: ۱/ ۴۹۶) مستدرک للحاکم میں مفصل روایت ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ یکے بعد دیگرے اپنے تین بیٹوں کا نام ''حرب'' رکھتے رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبدیل فرما کر بالترتیب حسن، حسین اور محسّن رکھا اور فرمایا کہ میں نے ان کے نام حضرت ہارون علیہ السلام کے صاحبزادوں شبیر، شبر اور مشبر کے ناموں پر رکھے ہیں۔(المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۴۷۷۳۔اسد الغابہ: ۱/ ۴۹۶)

حلیۂ مبارک: آپؓ کا بدن مبارک حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کے مشابہ تھا۔(جامع الترمذی، رقم: ۳۷۷۹۔البدایۃ والنہایۃ، اسد الغابۃ)

فضائل ومناقب: آپؓ کی سب سے بڑی فضیلت یہی ہے کہ آپ نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول اور شیرِ خداؓ

کے لختِ جگر اور رتبۂ صحابیت پر فائز ہیں، جو اس حسب ونسب کی فضیلت کو باعثِ نجاتِ اُخروی بنا دیتا ہے۔ حضرت حسین شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ اپنے نانا حضرت محبوبِ رب العالمین کی محبتوں، شفقتوں اور توجہات کے محور ومرکز رہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنے ان لاڈلوں سے اُلفت وموانست اور لاڈ پیار بے مثال ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: ’’حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے باہم کشتی کا کھیل کھیل رہے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: حسن! شاباش! جلدی کرو۔ حضرت فاطمہؓ عرض کرنے لگیں: آپ حسن کو ہی کیوں شاباشیاں دے رہے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حسینؓ کو جبریل امین کہہ رہے ہیں کہ شاباش حسین! جلدی کرو۔‘‘ (اسد الغابہ: ۱/ ۴۹۷)

’’حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے کسی کام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے کچھ اوڑھا ہوا تھا، معلوم نہیں، کیا تھا؟ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو میں نے عرض کیا کہ: یہ کیا ہے جو آپ نے اُٹھا رکھا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہٹایا تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی پشت مبارک پر تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں، پس تو بھی ان سے محبت فرما اور اس سے بھی محبت فرما جو اِن دونوں سے محبت رکھے۔‘‘ (جامع الترمذی) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ: ’’رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو اہلِ بیت میں سے کس سے سب سے زیادہ محبت ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: حسنؓ وحسینؓ سے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ کو فرماتے کہ میرے بچوں کو میرے پاس بلاؤ، پھر آپ انہیں چومتے اور سینے سے لگاتے۔‘‘ (ترمذی: ۳۷۷۲)

حضرت ابو بریدہؓ فرماتے ہیں کہ: ’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ: اچانک حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سرخ قمیصوں میں ملبوس گرتے پڑتے آ رہے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اُترے، دونوں حضرات کو اُٹھایا اور اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ’’إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔‘‘ (تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے آزمائش ہے) میں نے ان بچوں کو دیکھا کہ گرتے ہوئے آ رہے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا، حتیٰ کہ میں نے اپنی گفتگو روک کر اُنہیں اٹھایا۔‘‘ (جامع ترمذی: ۳۷۷۴) یعلیٰ بن مرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ’’حسین مجھ سے ہیں اور میں حسینؓ سے ہوں (لہٰذا حسین سے محبت مجھ سے محبت ہے اور حسین سے دشمنی مجھ سے دشمنی ہے) اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو حسین سے محبت کرتا ہے۔‘‘ (جامع ترمذی: ۳۷۷۵) ’’ایک دفعہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر یا عصر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور آپ نے اپنے لاڈلوں حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو اٹھایا ہوا تھا، آپ امامت کے لیے آگے بڑھے تو دائیں پاؤں کی جانب نواسے کو بٹھا دیا، پھر سجدہ کیا اور لمبا سجدہ کیا۔ حضرت شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے سر اوپر کیا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سجدے میں ہیں اور بچہ آپ کی پشت پر سوار ہے، میں دوبارہ سجدے میں لوٹ گیا، آپ نے (نماز سے فارغ ہوکر) رخ پیچھے موڑا تو لوگوں نے عرض کی کہ: یارسول اللہ! آپ نے اپنی نماز میں آج جیسا سجدہ کیا ایسا سجدہ پہلے کبھی نہیں فرمایا، کیا کسی چیز کا حکم ہوا ہے یا کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، لیکن میرا بیٹا مجھ پر سوار تھا تو میں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ اُسے جلدی اُتار دوں۔'' (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۷۷۵) رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان پیارے نواسوں کو ان الفاظ میں دم کر کے شیطان اور نظرِ بد وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں دیتے تھے: أُعِيذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ ''میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات سے ہر شیطان، تکلیف دہ چیز اور ہر قسم کی بدنظری سے پناہ میں دیتا ہوں۔'' نیز فرماتے کہ: ''جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کو پناہِ خداوندی میں دیا کرتے تھے۔'' (صحیح البخاری، رقم: ۳۳۷۱) حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ''وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک دعوتِ طعام پر گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے آگے آگے چل رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ حسین بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں پکڑنا چاہا تو وہ ادھر اُدھر دوڑنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی (اُن کو پکڑنے کے لیے دوڑ کر) خوش طبعی کرنے لگے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں پکڑ لیا، پھر اپنا ایک ہاتھ اُن کی گدی پر رکھا اور دوسرا ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ان کے دہنِ طیب پر اپنا دہن مبارک رکھ کر چومنے لگے اور فرمایا کہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے۔'' (المستدرک للحاکم، رقم: ۴۸۲۰) آپ رضی اللہ عنہ نے خاندانِ نبوت کے جس ماحول میں پرورش پائی، اس سے پاکیزہ اور اچھے ماحول کا تصور ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اخلاق، اعمال، صوم وصلاۃ، حج وزکوۃ، صدقہ و خیرات، اُمورِ خیر اور عبادات میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ دن رات میں ایک ہزار نفل پڑھا کرتے تھے۔'' (سیر الصحابہؓ: ۴/۲۰۷) وقار، شائستگی، تواضع اور استقلالِ رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں: مؤرخ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم آپ کی تکریم وتعظیم کیا کرتے تھے، (باوجودیکہ اس وقت تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ صغیر السن تھے، مگر یہ

جانثارانِ رسول قرابتِ رسول ﷺ کا کیوں کر لحاظ نہ کرتے؟) پھر آپ اپنے والد گرامی قدر حضرت علی المرتضیٰؓ کے ساتھ رہے، ان کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی، مشاجرۂ جمل اور صفین میں بھی شرکت کی، والد ماجد کی بہت توقیر کرتے تھے، ان کی شہادت تک اطاعت گزاری کی، پھر مصالحتِ سیدنا حسن با سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی تسلیم کیا، حضرت معاویہؓ ان دونوں صاحبزادوں کا خصوصی اکرام کرتے، انہیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے، عطایا دیتے۔ حضرت حسنؓ وفات پا گئے تو حضرت حسینؓ ہر سال وفد کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے پاس آتے تو حضرت معاویہؓ ان کی خوب خدمت اور عزت کرتے، خلافتِ معاویہؓ میں ہونے والے غزوۂ قسطنطنیہ میں بھی آپ شریک تھے۔'' (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۶۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فرمان صحیح بخاری میں موجود ہے: ''ارْقُبُوا مُحَمَّدًا ﷺ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ۔'' (صحیح البخاری: رقم ۳۷۵۱) ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے اہلِ بیت میں آپ کی قرابت کا لحاظ رکھو۔''

علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت تک حضرت حسینؓ اور امیر معاویہؓ کے تعلقات اچھے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کی پوری کوشش تھی کہ وہ روابط جو انہوں نے حضرت حسینؓ کے ساتھ نہایت بہترین انداز میں قائم کر رکھے ہیں ٹوٹنے نہ پائیں۔ شیخ ابن بابویہ قمی حضرت زین العابدینؒ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے آخری وقت میں یزید کو جو نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی: ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حقِ احترام کو پہچاننا اور انہیں جو قرب اور درجہ حضورِ اکرم ﷺ کے ہاں حاصل ہے اُسے یاد رکھنا، ان کے کسی عمل پر ان سے مواخذہ نہ کرنا اور وہ تعلقات جو میں نے اب تک ان سے نہایت مضبوط کر رکھے ہیں انہیں ہرگز قطع نہ کرنا۔'' (جلاء العیون، ص: ۳۸۸، ایران) (عبقات: ۱/ ۱۸۵)

ازواج و اولاد: آپ کی ازواجِ طاہراتؓ میں لیلیٰ، حباب، حرار اور غزالہ شامل ہیں۔ اولاد درج ذیل ہے: صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب۔ (سیر الصحابہؓ) بیٹوں میں: علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، عمر، یزید۔ (تاریخ الائمۃ، للر افضۃ، ص: ۸۳)

شہادت: آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک اور دردناک واقعہ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ بروز جمعہ یزید کے دورِ جور و جفا میں پیش آیا، جس کی تفصیلات مفتی اعظم مولانا محمد شفیع عثمانی اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہم کی کتب ''شہیدِ کربلا'' اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب ''فوائدِ نافعہ'' جلد دوم میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جملہ اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم اور خاندانِ نبوت کے تمام افراد کی محبت واُلفت عطا فرمائے اور اُن کے نقوشِ پا پر چلنے کی توفیق بخشے، آمین۔

اصلاحی مضامین

دین اسلام کا ایک اہم باب

بندگانِ خدا کے حقوق بندگان خدا پر

از: مولانا شیخ ابرارالحق اشرفی*

اسلام ایک ایسا جامع اور ہمہ گیر نظام حیات ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کی انسانیت نواز تعلیمات سے محروم نہیں ہے اعتقادات و ایمانیات ہوں یا عبدیت کے طور طریق، لین دین کی سنہرے اصول ہوں یا معاشرت و اخلاقیات کی بلند و بالا ہدایات، تمام ہی شعبے اسلامی تعلیمات کی جامعیت و ہمہ گیری کی آئینہ دار ہیں علمائے کرام نے دین اسلام کی ان جامع تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے ایک حصہ حقوق اللہ کہلاتا ہے جبکہ دوسرے حصے کا نام حقوق العباد ہے۔

حقوق اللہ ہو یا حقوق العباد دونوں کا علم حاصل کرنا اور اس کی ادائیگی کی فکر کرنا بندوں پر ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے مقابلے میں حقوق العباد میں کوتاہی زیادہ سنگین ہے، اس لئے روئے سخن صرف ان فرائض اور ذمہ داریوں کی طرف ہے جو ایک انسان پر دوسرے انسان کے حق میں عائد ہوتی ہیں۔

حقوق العباد سے مراد وہ حقوق ہیں جو ایک انسان پر دوسرے انسان کے حوالے سے عائد ہوتے ہیں یہ حقوق انسانی تعلقات؛ سماجی معاملات؛ اخلاقی رویوں اور معاشرتی ذمہ داریوں سے متعلق ہوتے ہیں، اسلام نے ان حقوق کو نہایت اہم مقام عطا کیا ہے کیوں کہ ایک مثالی اسلامی معاشرہ تبھی وجود میں آسکتا ہے جب افراد آپس میں حسن سلوک؛ عدل؛ ہمدردی و خیر خواہی اور رواداری جیسے اوصاف پر عمل پیرا ہوں۔

حقوق العباد کا مطلب ہے بندوں کے حقوق یعنی وہ حقوق جو اللہ تعالیٰ کے بندے ایک دوسرے پر رکھتے ہیں یہ والدین؛ اولاد؛ زوجین؛ ہمسایوں؛ یتیموں؛ مسافروں؛ ملازمین؛ اور فقراء حتی کہ جانوروں تک کے لیے بھی متعین کیے گئے ہیں، شریعت مطہرہ نے ان کی ادائیگی کو نہ صرف دینی فریضہ قرار دیا ہے بلکہ ان کی خلاف ورزی کو بعض مواقع پر کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی بے گناہ انسان کی جان لیتا ہے تو یہ محض ظلم نہیں بلکہ ایک ایسا گناہ ہے جس کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ ''جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت

* امام وخطیب جامع مسجد گلبرگہ

کرے گا اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔" (سورۃ النساء:93)

اسی طرح جب کوئی شخص کسی یتیم کے مال میں خیانت کرتا ہے یا اسے ناحق کھاتا ہے تو شریعت اسے اس شخص کے برابر رکھتی ہے جو اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے قران میں ارشاد ہے کہ "بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں دراصل وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑیں گے۔ (سورۃ النساء:10)

اسلامی تعلیمات میں کسی کی عزت پر حملہ کرنا جھوٹی گواہی دینا یا بہتان باندھنا بھی انہیں کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شریک کرنا والدین کی نافرمانی کرنا جھوٹی بات کہنا یا فرمایا جھوٹی گواہی دینا۔" (صحیح بخاری:2654)

لوگوں کے ساتھ معاملات میں دھوکہ دہی کرنا، ناپ تول میں کمی کرنا، اور دوسروں کے حقوق میں خیانت کرنا بھی قران کی نظر میں سنگین جرم ہے۔فرمایا گیا: "خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں"۔
(سورۃ المطففین 1-3)

اسلام نہ صرف جسمانی ایذا رسانی کو جرم قرار دیتا ہے بلکہ زبان سے ہونے والے ظلم کو بھی کبیرہ گناہوں میں شمار کرتا ہے چنانچہ کسی کو گالی دینا، بے بنیاد الزام لگانا یا کسی کی بے عزتی کرنا بھی شدید وعید کا سبب ہے، ایسا ہی معاملہ اس شخص کے ساتھ ہے جو لوگوں کا مال ناحق غصب کرے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی ناحق لے لی قیامت کے دن اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔"
(صحیح بخاری:2454)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقی مفلس کے بارے میں فرمایا: میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ کے ساتھ لائے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا تو ان مظلوموں کو اس کے نیک اعمال دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے نیک اعمال ختم ہو گئے تو ان کے گناہ اس پر ڈالے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔
(صحیح مسلم:2581)

یہ تمام آیات و روایات اس بات پر شاہد ہیں کہ بندوں کے حقوق کی پامالی صرف دنیاوی خرابی نہیں بلکہ

اخرت کی ہلاکت کا باعث بھی بن سکتی ہے اس لیے ایک مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف اللہ کے حقوق کا پاسبان ہو بلکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں اہتمام سے کام لے کیونکہ اللہ رب العزت اپنے حقوق کو معاف فرما سکتے ہیں مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک مظلوم خود معاف نہ کرے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص سے حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگئی ہو یا وہ کسی دوسرے انسان کا حق مار بیٹھا ہو خواہ وہ مالی ہو یا جانی عزت کا ہو یا زبان کا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض زبانی توبہ پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس حق کی عملاً تلافی کرے کیونکہ بغیر تلافی کے توبہ ادھوری شمار ہوتی ہے۔

اگر کسی نے کسی کا مال ناحق لے لیا ہو تو واجب ہے کہ وہ مال مالک کو واپس کرے اگر مالک وفات پا چکا ہو تو اس کے ورثاء کو پہنچائے اگر ورثا معلوم نہ ہو تو اس مال کو کسی مسکین دے دے یا فلاحی مصرف میں اس نیت سے صدقہ کرے کہ یہ اس کے حق کی ادائیگی ہے۔

اگر کسی کو زبان سے ایذا دی ہو بہتان لگایا ہو یا غیبت کی ہو تو جس حد تک ممکن ہو اس سے معافی مانگے اور اگر وہ شخص موجود نہ ہو یا معافی مانگنا باعث فتنہ ہو تو اس کے لیے دعا کرے اس کی نیکی کا تذکرہ کرے اس کی عزت کی حفاظت کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو جسمانی نقصان پہنچایا ہو تو اس سے معافی طلب کرنا نقصان کا ہرجانہ ادا کرنا یا ممکن ہو تو اس کے نقصان کا ازالہ فوراً کرنا لازم ہے۔اور اگر کسی کے دل کو توڑا ہو یا کسی کو بلاوجہ رسوا کیا ہو تو شریعت کی نگاہ میں یہ بھی سنگین ظلم ہے جس کے ازالے کا واحد راستہ دل سے معافی مانگنا اور ائندہ کے لیے سچی توبہ کرنا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے کسی بھائی پر کوئی زیادتی کی ہو خواہ مال میں ہو یا عزت میں تو چاہیے کہ اج ہی اس سے معافی طلب کرے اس سے پہلے کہ وہ دن ائے جب نہ دینار ہوگا نہ درہم اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو مظلوم کو دے دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔'' (صحیح بخاری:2449)

لہذا یہ بات واضح ہے کہ تقصیرِ حقوق العباد کی تلافی صرف ندامت یا دعا سے مکمل نہیں ہوتی بلکہ جس حد تک ممکن ہو اس کا عملی ازالہ اور مظلوم کی رضا کا حصول لازم ہے یہی وہ راستہ ہے جو بندوں کے ساتھ بھی انصاف ہے اور آخرت میں بھی نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ حقوق العباد کی اہمیت کو سمجھنے اور حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اصلاحی مضامین

وقف ترمیمی بل اور ہماری ذمہ داریاں

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی*

وطن عزیز ہندوستان کا تہذیبی اختلاف اور تمدنی تنوع ہی ملک کا اصل حسن ہے بالخصوص یہاں کے جمہوری نظام کی بقا میں ملک کی سالمیت وترقی منحصر ہے کیونکہ یہاں بسنے والی اقوام کا سماجی اعتبار سے ایک منفرد مزاج اور مذہبی اعتبار سے ہر ایک کا مستقل نظریہ ہے، اسی اختلاف کے پیش نظر ملک کا قانون وضع کرتے وقت ہر قوم کو ان کے مذہبیات کے تئیں کچھ خاص اختیارات و امتیازات فراہم کیے گئے جس کو قانونی اصطلاح میں Personal law کہا جاتا ہے؛ لیکن تاریخی المیہ یہ ہے کہ۔ باشندگان ہند کی ناعاقبت اندیشی کہیں یا برطانوی سامراج کا مکر۔ ہمارا یہ ملک آزادی کے وقت سے تاہنوز باہمی کشمکش کا شکار ہے، اور اقلیتوں کے ساتھ چھیڑ خانی، ان کے حقوق کی پامالی اور ان کے نجی معاملات کے ساتھ تعرض روز اول سے جاری ہے، بالخصوص جب سے مودی گورنمنٹ اور بے جے پی نے ملک کا اقتدار سنبھالا ملک کا داخلی طور پر نقشہ ہی بدل گیا، اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس حکومت کا نصب العین اور بنیادی ہدف قوم مسلم کی پسپائی ہے جو ان کے لیے ملک کی ترقی سے زیادہ معنی رکھتی ہے، اسی مقصد کے حصول کے لیے ہٹلر کی ذہنیت رکھنے والی تنظیم RSS کی پشت پناہ پارٹی انگریزوں کی چال چلتے ہوئے Divide and Rule (قوم کو باہمی اختلافات میں الجھا کر اپنی کرسی سنبھالو) کی پالیسی پر عمل پیرا ہے، اور طرح طرح سے مسلمانوں کو ٹارگٹ اور نشانہ بنایا جا رہا ہے، کبھی پڑوس ملک کی مخالفت ومخاصمت کو بنیاد بنا کر ملک کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے بابت مشتعل کیا جاتا ہے تو کبھی خود مسلمانوں کے مذہب سے تعلق رکھنے والی چیزوں اور ان کے شعائر کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے، رام مندر بابری مسجد کا مسئلہ، لاؤڈ سپیکر پر اذان کا مسئلہ، تین طلاق بل، این آر سی یونیفارم سیول کوڈ یہ سبھی ایسے مسائل ہیں جن میں ایک خاص کمیونٹی مسلمان کو ٹارگٹ کیا گیا ہے، یہ سارے اشوز خالص مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے لیے ہیں مگر سیاسی طور پر ان کو ایسا رنگ دیا گیا کہ ان مسائل کے سلجھنے پر ہی ملک ترقی کر سکتا ہے، اب ہندو برادران

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

وطن میں ان مسائل کو ہوا دینے اور زندہ رکھنے نیز ان کو ہندوازم کے بابت حساس بنانے اور مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لیے حکومتی کارندوں کے آئی ٹی سیل برابر سوشیل میڈیا پر ان کا ٹرینڈ چلاتے ہیں اور بکاؤ میڈیا جن کو ملک کے سیکولر جرنلسٹوں نے گودی میڈیا کا نام دیا ہے دن بھر اسی نیوز کو چلا کر ملکی عوام کی ذہنیت کو پراگندہ کرتا رہتا ہے، اس وقت ملک کا سب سے سنگین اور سلگتا ہوا ایشو "وقف ترمیمی بل" ہے، مسلمانوں کی حمایت کا ڈھونگ رچنے والی حکومتِ ہند وقف ترمیمی بل کی تنفیذ کے ذریعے مسلم اوقاف واملاک پر قابض ہونا چاہتی ہے، موجودہ وقف ترمیمی بل کیا ہے اور اس کے دفاع میں ہم مسلمانوں کو کیا تدابیر اختیار کرنا چاہیے اس کو سمجھنے سے قبل اجمالاً وقف کی شرعی حیثیت کو ملاحظہ فرمائیں:

وقف عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنیٰ روک دینا اور منع کرنا ہے۔

وقف کی شرعی تعریف: **حبس العين و تسبيل المنفعة** (المغنی، ابن قدامہ:6/185)

اصل مال کو روک دینا اور اس کے نفع کو اللہ کی راہ میں جاری کر دینا ہے۔

وقف کی شرعی حیثیت:

وقف ایک مستحب عمل ہے جو کہ صدقۂ جاریہ کی صورت رکھتا ہے، اور یہ عمل قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

قرآن میں لفظ ''وقف'' صراحتاً نہیں آیا، مگر اس کی شکل موجود ہے: ﴿لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ ''تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز سے خرچ نہ کرو''۔ (سورۃ آل عمران:92)

یہ آیت وقف کے تصور کو تقویت دیتی ہے، کیونکہ وقف میں انسان اپنی محبوب چیز اور اپنی مملوکہ شئ کو اللہ کے لیے روک دیتا ہے۔

حدیث رسول میں وقف کے متعلق صحیحین کی مذکورہ روایت اساس کی حیثیت رکھتی ہے:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک زمین ملی، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تاکہ اس کے بارے میں مشورہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر چاہو تو اس کی اصل (زمین) کو روک لو اور اس کا نفع صدقہ کر دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا (یعنی وقف کر دیا) اس شرط کے ساتھ کہ: ''نہ اس کو بیچا جائے گا، نہ اسے ہبہ کیا جائے گا، اور نہ ہی اس میں وراثت جاری ہوگی۔'' (صحیح البخاری: حدیث 2737، صحیح مسلم:1632)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کو اصل مال روکنے اور اس کے منافع کو صدقہ کرنے کی تلقین کی، اور یہی وقف کی بنیاد ہے۔

مذکورہ نصوص کا حاصل یہ ہے کہ وقف نہ صرف سماجی بہبود کا ذریعہ ہے بلکہ یہ ایک مستقل عبادت ہے جس کی شریعت میں ترغیب وارد ہوئی ہے اور لوگ عبادت سمجھ کر اور اس نیت سے کہ ان کے اعمال نامہ میں نیکیاں درج ہوتی رہیں اپنی املاک کو راہ خدا میں وقف کرتے ہیں، ماضی میں ہمارے آباء واجداد نیز مسلمان بادشاہوں نے ایک بڑا زمینی رقبہ مسلم قوم کے مفاد کے لیے وقف کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کو صحیح طور پر بروئے کار لایا جائے اور درست مصارف میں ان کو استعمال کیا جائے تو مسلمانوں کے تقریباً سماجی معاملات بالخصوص معیشت سے متعلق مسائل حل ہو جائیں گے اور ہماری مسلم قوم جو در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہے اور حکومت کے آگے اپنا دامن پھیلا کر مفلسی ومفلوک الحالی کا رونا رو رہی ہے ان تمام پریشانیوں سے نجات پا کر معاشی طور پر ایک مستحکم قوم بن سکتی ہے، لیکن افسوس ناک صورت حال یہ کہ مسلم اوقاف کے ایک بڑے حصے کو حکومت پہلے ہی اپنے زیر تحویل کر چکی ہے اور جو زمینیں باقی رہ گئی ہیں اس پر بھی خود مسلمان قائدین یا زمینداروں نے ناجائز قبضے جما لیے ہیں اور کئی ساری مساجد ومقابر کے لیے وقف شدہ زمینوں کو بیچ کر اپنی دنیا آباد اور آخرت برباد کر چکے ہیں، بس اب کچھ زمینیں ہیں جو وقف بورڈ کے تحت ہیں اور ان سے مسلمان کسی نہ کسی طرح فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن حکومت کی وہی مکارانہ چال اور جانب دارانہ برتاؤ سمجھیے کہ مسلمانوں کو مزید کمزور کرنے اور ان کے مذہبی امور پر پابندی عائد کرنے کے لیے مسلم اوقاف کے متعلق ایک قانون ملک میں لاگو کرنا چاہ رہی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، سابق میں بھی کئی بار وقف کو ایشو بنایا گیا اور اس کو چھیننے اور اس سے متعلق قوانین نافذ کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اس بار مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ یہ قانون لاگو کرنے کا پلان بنایا گیا ہے، حکومت بظاہر مسلمانوں کو یہ تسلی دے رہی ہے کہ اس قانون کے نفاذ میں مسلمانوں کا ہی فائدہ ہے نیز اس سے مسلم سماج کی اکنومیکل کنڈیشن بہتر ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس حکومت کا نصب العین ہی مسلمانوں کی تباہی ہو، جو ملک کے دیگر اہم مسائل پر کام کرنے سے زیادہ مسلمانوں کی شریعت اور ان کے پرسنل لاء کے ساتھ تعرض میں دلچسپی رکھتی ہو وہ کیوں کر مسلمانوں کا بھلا سوچے گی؟ جب کہ اب تک کی تمام پالیسیوں میں مسلم مخالف ایجنڈہ نمایاں طور پر نظر آ رہا ہے۔ الغرض وقف کا موجودہ قانون بھی حکومت کے اسی سیاہ چہرے کو بے نقاب کرتا ہے، اس بل کی خامیاں جو استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) نے اپنی تحریر میں درج کی ہیں ذکر کی جا رہی ہیں:

(۱) پہلے تو وقف بائی یوزر کو ختم کر دیا گیا تھا، پھر جب BJP اتحادی پارٹیوں نے مسلمانوں کے دباؤ میں اس کو ختم کرنے کی بات کہی تو اب نئے قانون میں یہ تبدیلی کر کے ان کی بات رکھ لی گئی کہ: مستقبل میں اس کا

اطلاق ہوگا، پہلے سے جو وقف جائیداد موجود ہے ان میں وقف بائی یوزر کو تسلیم کیا جائے گا۔

وقف بائی یوزر کا مطلب یہ ہے کہ اگر لمبے عرصے سے کوئی جائیداد مسجد، درگاہ، قبرستان کے طور پر استعمال میں ہے اور مذہبی و خیراتی مقاصد کے لئے ہے تو اس کو وقف جائیداد تسلیم کیا جائے گا، اسے وقف بائی یوزر کہتے ہیں۔ عجیب بات یہ کہ 2025ء سے پہلے وقف بائی یوزر کو وقف جائیداد تسلیم کرنے کے باوجود ایک شوشہ یہ ڈال دیا گیا کہ اگر 2025ء سے قبل کے کسی وقف بائی یوزر میں کوئی تنازع ہو یا وہ سرکاری زمین ہو تو صرف استعمال سے ان کو وقف نہیں مانا جائے گا۔ بلکہ کاغذات دکھانے ہوں گے، ظاہر ہے کہ بہت سی پرانی وقف جائیدادیں ایسی ہیں جن کے کاغذات موجود نہیں ہیں، ان سب جائیدادوں کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

(یہ ایک طرح سے ماضی کے اوقاف کو بھی ہڑپنے کی کوشش ہے، آئے دن فرقہ پرست اور انتہا پسند افراد مسجد، درگاہ، عیدگاہ وغیرہ پر بلا دلیل ہندو مذہبی مقام ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، بابری مسجد، گیان واپی زندہ مثال ہے اور ان کے علاوہ وشو ہندو پریشد نے ساڑھے تین ہزار سے زائد مساجد پر دعویداری کی فہرست تیار کر رکھی ہے، درگاہوں پر بھگوا جھنڈے لہرانا اور قبرستانوں پر یلغار کرنا بھی معمول کا حصہ بنتا جا رہا ہے اور قبرستانوں کو مسمار کیا جا رہا ہے۔)

(۲) اس نئے قانون کے مطابق Limitation Act کا اطلاق وقف جائیدادوں پر بھی ہوگا یعنی وقف کی جائیداد پر کسی کا 12 رسال یا اس سے زیادہ کا قبضے سے اس کی ملکیت تسلیم کر لی جائے۔

جب کہ 1995ء کے وقف قانون میں Limtation Act کو وقف سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا، جس کا فائدہ یہ تھا کہ وقف جائیدادوں سے قدیم غاصبانہ قبضے خالی کروائے جا سکتے تھے، مگر اب Limitation Act کے وقف پر بھی لاگو کر دینے سے یہ ہوگا کہ جن وقف کی زمینوں پر 12 سال یا اس سے زیادہ عرصے سے کوئی قابض ہو تو وہ اس کا مالک تسلیم کیا جائے گا، یعنی اب وقف جائیداد سے ناجائز قبضے کو ہٹانے کی راہ بھی ختم کر دی گئی۔

(۳) کسی زمانے میں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان کو کوئی زمین وقف کی ہو، اور وہ بطور مسجد، قبرستان یا مسافر خانہ استعمال ہو رہی ہو تو اب غیر مسلموں کی عطا یا وقف کے دائرے سے باہر نکل جائیں گی، اس طرح سے تو بہت سے اوقاف پر سرکار کے قابض ہونے کا خطرہ ہے، کیوں کہ قدیم ہندوستان میں بہت سے مسلمان بادشاہوں، نوابوں اور زمینداروں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے لئے زمین وقف کی تھیں، ایسے ہی غیر مسلم حکمرانوں نے بھی زمینیں اور عمارتیں مسلمانوں کو دان کی ہیں، موجودہ قانون کی وجہ سے غیر مسلم کی جانب سے

مسلمان کو دی ہوئی زمین جو وقف کے طور پر استعمال میں ہو اس پر سرکار قابض ہوگی۔ نئے وقف قانون میں وقف کرنے والے کا پانچ سال کا باعمل مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، جس کے رو سے کوئی غیر مسلم وقف نہیں کرسکتا ہے، یہ تضاد بھی ملاحظہ ہو کہ غیر مسلم وقف نہیں کرسکتا ہے مگر وقف بورڈ اور سینٹرل وقف کونسل کا ممبر ضرور ہوسکتا ہے۔

(۴) سرکار کا دوہرا رویہ دیکھیں کہ وقف بائی یوزر ہمارے لئے ختم کردیا گیا لیکن ہندوؤں، بدھسٹوں، سکھوں اور دیگر مذاہب کی املاک کے لئے اب بھی وقف بائی یوزر تسلیم کیا جائے گا۔ یہ چیز تفریق پر مبنی ہے جو دستورِ ہند کی دفعات کے خلاف ہے۔

(۵) سرکار کا دوہرا رویہ یہ بھی ہے کہ ہندو، سکھ، بودھ، کرسچن کی املاک کو Limitation Act سے الگ رکھا گیا، لیکن مسلمانوں کے وقف پر اس کا اطلاق ہوگا، وقف کی زمین پر جس کا ناجائز قبضہ 12 سال یا اس سے زیادہ ہوگیا ہو وہ وقف سے نکال دی جائے گی اور قابض کا قبضہ اس کی ملکیت مان لی جائے گی۔

(۶) ہندو انڈومنٹ جو ایک طریقہ سے ہندو اوقاف کی شکل ہے، اس میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اس کا ہر رکن ہندو ہوگا، اتر پردیش، کیرالہ، تامل ناڈ، کرناٹک وغیرہ میں ایسے قانون موجود ہیں جن کے مطابق ہندو جائیدادوں کا انتظام صرف ہندو ہی دیکھے گا، مگر موجودہ قانون میں اوقاف انتظامیہ میں کم از کم دو غیر مسلموں کی نمائندگی کو لازم قرار دے دیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ دو غیر مسلم ممبر ہوں گے بلکہ مزید غیر مسلموں کو اس میں داخل کرنے کی راہ ہموار کی گئی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۷) پہلے شرط تھی کہ وقف بورڈ کا چیف ایگزیکیٹیو مسلمان ہوگا اب اس شرط کو ہٹا دیا گیا۔

(۸) پہلے وقف بورڈ کی سفارش پر چیف ایگزیکیٹیو کا تقرر ہوتا تھا مگر اب حکومت خود اس کا تقرر کرے گی، ظاہر ہے کہ حکومت کا بندہ حکومت کی منشاء کے مطابق ہی کام کرے گا۔

(۹) سینٹرل وقف کونسل میں پہلے صرف ایک رکن ہوسکتا تھا، اب ان غیر مسلم ارکان کی تعداد بحیثیت رکن کے 13 ہوسکتی ہے، دو غیر مسلم اراکین تو لازماً شامل ہوں گے۔ ان کے علاوہ مختلف مناصب کے لحاظ سے مزید گیارہ غیر مسلم ممبر بنائے جاسکتے ہیں۔

(۱۰) ریاستی وقف بورڈ میں صرف ایک غیر مسلم اس کا چیئرپرسن ہوسکتا تھا جب کہ باقی سارے ارکان مسلمان ہوتے تھے اور انتخاب کے ذریعے آتے تھے۔ اب ریاستی وقف بورڈ کے 7/ارکان غیر مسلم ہوسکتے ہیں، اور کم از کم دو ارکان کا غیر مسلم ہونا لازمی ہے، اور ارکان کو اب وقف بورڈ پہلے کی طرح منتخب نہیں کرے گا

بلکہ ریاستی حکومت نامزد کرے گی۔

(۱۱) نئے قانون میں اب نئے وقف کو روکنے کی کوشش کی گئی ہے، اول یہ کہ غیر مسلم اب کسی مسلمان کو وقف نہیں کرسکتا، دوسرے یہ بھی ہے کہ جو شخص پچھلے پانچ سالوں سے اسلام پر عمل کر رہا ہو وہی وقف کرسکتا ہے، یہ پوری طرح شریعت کے قانون میں مداخلت ہے۔

(اسلام کی نظر میں جو شخص اسلام قبول کرے وہ بھی اسی طرح مسلمان ہے جیسے پانچ سال پہلے کا مسلمان، یہ قانون پانچ سال تک ایک مسلمان کو اس کے بنیادی مذہبی حق سے روکنے کے مترادف ہے، دوسرے یہ کہ باعمل مسلمان کی شرط اس لئے بھی غلط ہے کہ کون اسلام پر پوری طرح عمل پیرا ہے، یہ ثابت کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔)

(۱۲) نئے وقف قانون میں وقف کے قانون کو کمزور کردیا گیا ہے، پہلے ایسا تھا کہ اگر دوسرے قوانین سے وقف کے قانون کا تعارض اور ٹکراؤ ہو تو وقف کے قانون کو ترجیح دی جائے گی، یعنی وقف قانون کو اوور رائیڈنگ ایکٹ تسلیم کیا گیا تھا، اس نئے قانون میں اس کو بھی ختم کردیا گیا۔

(۱۳) یہ جھوٹ بھی پھیلایا جارہا ہے کہ وقف قانون کو کسی بھی جائیداد پر دعویداری کا مطلق اختیار دیا گیا تھا تبھی تو آج ملک بھر میں وقف جائیداد چھ لاکھ ایکڑ میں ہے، اور وقف والے ملک کے تیسرے سب سے بڑے زمین کے مالک ہیں۔ (یہ دو باتیں ایک ساتھ کردی گئی ہیں الگ الگ ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔)

جب کہ سچ یہ ہے کہ وقف سے زیادہ زمین ہندو انڈومنٹ کے پاس ہیں، صرف تمل ناڈ میں ہندو انڈومنٹ کے پاس 478000 ایکڑ، آندھرا پردیش میں 468000 ایکڑ زمین ہے، باقی ریاست چھوڑ دیں تو صرف ان دو ریاستوں کو ملا کر ہی ہندو انڈومنٹ کے پاس وقف سے زیادہ زمین ہے۔

(وقف کسی بھی زمین پر یونہی دعویداری کیسے کرسکتا ہے، اس کا مکمل ایک طریقہ ہے کہ وقف صرف وہی کرسکتا ہے جو اپنی جائیداد کا مالک ہو اور اس کو اپنی ملکیت کے دستاویزات وقف بورڈ میں جمع کرنے ہوں گے، اس کے بعد عوام کو اعتراض داخل کرنے کے لئے نوٹس جاری کیا جاتا ہے، حکومت ایک سروے کرنے والا طے کرتی ہے، جو زمینوں کی جانچ کرتا ہے اور اس زمین کے وقف ہونے کی تصدیق کرتا ہے، اس کے بعد یہ اعلان ریاستی گزٹ میں شائع کیا جاتا ہے، کوئی بھی ایک سال کے اندر اس نوٹیفکیشن کو وقف ٹریبونل کے اندر چیلنج کرسکا ہے۔

(۱۴) یہ بھی جھوٹ پھیلایا جارہا ہے کہ وقف جائیداد کا فیصلہ یکطرفہ وقف ٹریبونل کردیتا ہے، اور کسی بھی

جائیداد کو اپنے قبضے میں لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وقف ٹریبونل کی حیثیت سول کورٹ کی ہے، جس کا اعلیٰ افسر ڈسٹرکٹ جج ہوتا ہے، ثبوت کی بنیاد پر ٹریبونل میں فیصلہ ہوتا ہے، اگر فیصلے پر کوئی ایک فریق مطمئن نہیں تو وہ ہائی کورٹ اور ہائی کورٹ سے سپریم کورٹ بھی جا سکتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ بل حکومت کی حسب منشا لاگو ہو جائے تو ہندوستانی مسلمانوں کو مستقبل میں بڑے سخت مسائل سے دوچار ہونا ہوگا، ابھی بابری مسجد اور گیان واپی مسجد کے قضیے سے فارغ بھی نہیں ہوئے کہ بے جے پی کے تحت کام کرنے والے دلوں نے ملک بھر سے ہزاروں مساجد کی ایک فہرست تیار کی ہے جن کے متعلق وہ قبضہ یا مندر کی زمین کے دعوے کرنے والے ہیں، اب مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تو ملک کے بیشتر مساجد اور ان کے اراضی جو عہد قدیم سے مسلمانوں اور اوقاف کے قبضے میں ہیں اور باقاعدہ طور پر ان کے کاغذات نہیں ہیں سبھی پر حکومت دھاوا بولے گی، اسی طرح مدارس اور قبرستانوں اور امام باڑوں سبھی کو مشکل حالات درپیش ہوں گے، غرض یہ بل اب تک کی اسلام مخالف پالیسیوں میں سب سے خطرناک بل ہے جو تقریباً مراحل سے گزر کر اب پاس ہونے کو ہے یا پاس ہو گیا ہے جس کی بس تنفیذ باقی ہے، اسی لیے ملک بھر کے مسلمانوں کو ہند میں اسلام اور شعائر اسلام کی بقاء کے لیے میدان میں آنا ہوگا، اور حکومت پر یہ پریشر ڈالنا ہوگا کہ یہ بل واپس لیا جائے۔

سب سے پہلے تو ہم کو جائزہ لینا چاہیے کہ کن باتوں کو بنیاد بنا کر حکومت یہ بل لانا چاہتی ہے۔

اقلیتی امور کی وزارت کے مطابق یہ کچھ ۱۰/نکات ہیں جو وقف بل میں ترمیم کی بنیاد بنے ہیں۔

(۱) وقف املاک کے انتظام و انصرام میں شفافیت کی کمی (۲) وقف کی زمینوں کا نامکمل سروے اور ان میں تبدیلی (۳) وقف میں خواتین ورثاء کے حقوق کیلئے مناسب قواعد کا فقدان (۴) قبضہ جات کے بڑھتے ہوئے معاملات، ۲۰۱۳ء میں اس تعلق سے ۱۰۳۸۱/زیر التوا مقدمات تھے، جواب بڑھ کر ۲۱۶۱۸/تک پہنچ چکے ہیں۔ (۵) کسی پراپرٹی کو اپنی تحقیقات کی بنیاد پر وقف پراپرٹی قرار دینے کا وقف بورڈ کو حاصل اختیار (٦) بڑی تعداد میں سرکاری زمینوں کو وقف کی زمینیں قرار دینے کے معاملات (۷) وقف املاک کی واضح گنتی اور ان کے حساب کتاب کا معاملہ (۸) وقف املاک کو سنبھالنے کا ناقص نظم (۹) ٹرسٹ پراپرٹیوں کے ساتھ غیر مناسب سلوک (۱۰) مرکزی وقف کونسل اور ریاستی وقف بورڈوں میں تمام فریقوں اور شراکت داروں کی غیر مناسب نمائندگی۔ (ڈیٹا: بشکریہ پریس انفارمیشن بیورو)

اب ہم کیا کریں؟

ا۔ جن باتوں کو یہاں ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے اس کی تحقیق ہونی چاہیے کہ کیا واقعی یہ باتیں درست ہیں یا بلا وجہ ان کو بنیاد بنا کر وقف ترمیمی بل لاگو کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اگر یہ درست ہے تو اوقاف کے ذمہ داران نیز مسلم پرسنل لا بورڈ کے افراد ان میں جو چیزیں قابل اصلاح ہیں ان کی حتی الامکان اصلاح فرمائیں اور اگر یہ باتیں بے بنیاد ہے تو قانونی طور پر ان کا دفاع کریں۔

۲۔ قوم کی اجتماعیت بہت بڑی طاقت کا ذریعہ ہے(people's power is most powerful)،اس لیے عوام کو اس مسئلے کی سنگینی سے واقف کرائیں،علماء اور مسلم لیڈران مساجد اور محلہ وار لوگوں کو وقف بل کے خطرناک خدشات سے آگاہ کریں بلکہ سب سے پہلے تو ان کو وقف کا مطلب اور اس کے مقاصد سے آگاہ کریں، جب اس معاملے میں پبلک awareness آجائے اور پوری قوم ملکی سطح پر اس مسئلے کے خلاف کھڑی ہو تو ممکن ہے کہ حکومت اپنے ناپاک منصوبوں میں نامراد ہو؛ مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب ایک وعظ میں کہہ رہے تھے کہ " دنیا میں کسی معاملے یا مطالبے کے تسلیم کرنے اور رد کرنے کا مدار یہ نہیں ہے کہ وہ کس قدر معقول ہے یا کس درجے نامعقول ہے، بلکہ مطالبے کو منوانے کے لیے دنیا یہ دیکھتی ہے کہ اس کے پیچھے افراد کی کیا قوت کارفرما ہے، اس کے پیچھے کتنے افراد کھڑے ہیں، ملک بھر ہونے والے احتجاجی مظاہروں سے ہماری آواز کا اثر ارباب حکومت کو معلوم ہو چکا کہ وہ منمانی نہیں کر سکتے، مسلم طبقہ حساس ہے، اپوزیشن پارٹیوں کو پتہ چل گیا ہے کہ آج بھی مسلمان یک جٹ ہو کر ملک کے کالے قانون کو جڑ سے مٹا سکتے ہیں، الائنس پارٹیوں کو معلوم ہو چکا کہ اس طرح کے ملی اور جمہوری مسائل میں ہم مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیں گے تو یہی مسلمان جنہوں نے ہمیں تخت اقتدار پر بٹھایا ہے متحد ہو کر فرش نشیں کر دیں گے'' غرض قومی اجتماعیت بڑی اثر دار شئی ہے، اس سے ہم حکومت پر پریشر ڈال سکتے ہیں۔

۳۔ وقف کی جائیداد کا نظم وضبط رکھنے اور ان کی نگرانی کرنے والے جو ضلعی یا صوبائی ذمہ دار ہیں ان پر مکمل گرفت رکھیں، بیشتر مقامات پر ماتحتوں کی من مانیوں سے ہی مسائل پیدا ہو رہے ہیں، بلکہ جو لوگ ملکی سطح پر وقف بورڈ کے ذمہ داران ہیں ان کے انتخابات کا مرحلہ بھی پبلک کے سامنے رہے، نیز زعماءِ قوم کے اعتماد و مشورے کی بنیاد پر ذمہ دار طے کئے جائیں، کیوں کہ اس بل کے آنے میں ارباب انتظام کی بدنظمی یا بدنیتی کا بھی ایک گونہ دخل ہے، گو سب اس حکم میں شامل نہ ہوں۔

۴۔ مخالفین کی طرف سے جو غلط فہمیاں پھیلائی جا رہی ہیں اور عدالتوں میں متعدد ایسی عرضیاں زیر سماعت ہیں جس میں وقف جائیداد کی ملکیت پر سوالات اٹھائے گئے ہیں، ان سب کا اطمینان بخش جواب دیا جائے، وقف کی تعریف، اس کی شرعی حیثیت، واقف کی منشا، وقف کے منافع اور فوائد کو مدلل و محقق طور پر عوام و ایوان میں پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ صرف دین اسلام میں ہی وقف کی مثال ملتی ہے، کسی دوسری قوم میں اس کا ایسا تصور موجود نہیں ہے۔

۵۔ مسلم جماعتوں، یونینوں، تنا ظیم اور بالخصوص پرسنل لاء بورڈ کے تحت جو احتجاجی مظاہرے ہو رہے ہیں اس میں بلا تفریق مسلک و مشرب شرکت فرما کر ان احتجاجوں کو کامیاب بنائیں، سیاسی یا نظریاتی اختلاف کی بنا پر ایسے حساس وقت پر بھی تفرقہ بازی ننگ و عار کا باعث ہے۔

۶۔ خطباء و صحافی حضرات برابر اس موضوع پر بولتے اور لکھتے رہیں، چاہے مسئلہ پرانا ہو جائے جب تک کوئی فائنل ڈیسیشن نہ لیا جائے بدستور اس مدعے کو قوم کے بیچ زندہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۷۔ سب سے اہم کام مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کریں، اس وقت ہماری قوم کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ کوئی منصوبہ بندی یا مستقبل کے تئیں کوئی پلاننگ نہیں ہے، حکومت اپنی تنگ نظری بلکہ متعصّبانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے برابر اسلام مخالف بل یکے بعد دیگرے لاتی جا رہی ہے اور ہمارے قائدین ہر وقت میدان میں آ کر کچھ روز اس کی مخالفت کرتے ہیں بالآخر وہ پاس ہو جاتی ہے، اور سب آوازیں سرد پڑ جاتی ہیں، اگر یہی سلسلہ چلتا رہے گا تو زعفرانی جماعت کے تمام منصوبے کامیاب ہوتے رہیں اور ہم بس منہ تکتے رہ جائیں گے، اور اس کا خمیازہ ہماری آئندہ نسلوں کو بھگتنا ہوگا، منصوبہ بند طریقے سے جو کام ہوتے ہیں وہ اگرچہ وقت طلب ہوتے ہیں لیکن ان کا اثر و نتیجہ دیر پا ہوتا ہے، کسی جگہ راقم نے پڑھا تھا کہ آج جو انگریز دنیا کی معیشت پر قابض ہیں اور ولڈ بنک پر قبضہ جما کر پوری دنیا پر راج کر رہے ہیں اس کے پیچھے آٹھ نو سو سال کی جہد مسلسل کار فرما ہے، کیا ہمارے اندر اتنا صبر ہے؟ ہمارا تو مزاج ہی بن چکا ہے کہ ابھی درخت لگاؤ اور فوراً پھل لگنا شروع ہو جائے، ایک طرف آر ایس ایس مکمل پلاننگ کے ساتھ اسلام کی بیخ کنی کے لیے کمر بستہ ہے اور دوسری طرف ہر طرح کے منصوبوں سے نہتے ہم مسلمان؛ یہ صورت حال بہت تکلیف دہ ہے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمانوں نے منصوبہ بندی کے ساتھ محاذ آرائی کی تو اللہ تعالی نے کامیابی ان کا مقدر کر دیا، اسی لیے اب ضرورت ہے ایک بہتر پلان اور نظام العمل کی جس میں ہم تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر ہماری قومی حیثیت کو مضبوط کرنے اور خامیوں کو دور کرنے کی فکر کریں۔ (بقیہ صفحہ ۴۵ پر)

درسِ عبرت

سقوطِ بیت المقدس کے وقت کا ایک عبرت انگیز واقعہ

ماہِ اکتوبر 2024 کی 7 تاریخ سے لے کر تا حال فلسطین میں اہلِ غزہ کے موجودہ حالات نہایت افسوس ناک اور انسانیت سوز ہیں، انسانیت سے عاری درندہ صفت صیہونیوں کے حملے آئے روز شدید تر ہوتے جا رہے ہیں، اہلِ غزہ بنیادی سہولیات جیسے پانی، خوراک، بجلی اور دواؤں سے تک محروم ہیں، خوراک کا بحران ہے، ہزاروں بچے شدید غذائی قلت کا شکار ہیں، انسانی بحران اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے، رفاہی تنظیمیں، امدادی کاروائیاں روکنے پر مجبور ہیں، امدادی تنصیبات پر فائرنگ اور بمباری اسرائیل کا معمول بن گئی ہے، لاکھوں لوگ بے آسرا ہو گئے، اسکولوں، ہسپتالوں اور کیمپوں میں محروس نہتے کمزوروں پر بھی حملے رکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں، مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی بڑھتی جا رہی ہے، کم از کم اب تک کی ہلاکتیں 56 ہزار سے زائد ہیں، اور ایک لاکھ 32 ہزار لوگ زخمی ہیں، 171 فلسطینی صحافی میڈیا ورکرز شہید ہو چکے ہیں، عالمی سطح پر بعض ممالک نے مذمتی بیانات دیے ہیں، اور جنگ بندی کا مطالبہ بھی کیا ہے؛ مگر مؤثر عملی اقدامات کی شدید کمی ہے، اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی ادارے بھی فلسطینی عوام کی فوری مدد کرنے میں ناکام نظر آ رہے ہیں، اب یہ مسئلہ صرف ایک زمینی تنازع کا بھی نہیں؛ بلکہ ایک پوری قوم کے وجود اور بنیادی انسانی حقوق کا ہے، ایسے ناگفتہ بہ حالات میں امت مسلمہ کی خاموشی لمحۂ فکریہ ہے، وہ امت جو جسدِ واحد کہلاتی ہے؛ اسے چاہیے تھا کہ اپنے بھائیوں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں، اور متحد ہو کر عملی اقدامات کرتے، لیکن ایسے اندوہناک اور دل دہلا دینے والے واقعات کے باوجود بھی ہماری بے حسی اور بے فکری ''عیاں را چہ بیاں'' کے مصداق ہے، ایسے میں ہمارے راتوں کی نیند حرام ہو جاتی، بھوک ختم ہو جاتی، درد و کرب اور حزن و غم کی وجہ سے عیش و مستی اور غفلت ولا پرواہی دور دور تک نظر نہ آتی تو بجا تھا؛ لیکن، ہائے افسوس! نیند تو کیا ختم ہوتی کسی رات کا ایک حصہ بھی اپنے فلسطینی بھائیوں کے لیے دعا کرنے میں صرف نہ ہوا، اور بھوک کہاں متاثر ہوتی، کسی ایک وقت کے کھانے کا ایک لقمہ بھی ہمیں نہیں تڑپا پایا، اندرونی کڑھن وٹیس کا حال پوچھو شادی بیاہ کے محافل، آپسی تنازعات، سیر و تفریح کی مستیاں، دینی احکام و شرعی فرائض میں کوتاہیاں یہ اور ان جیسے بے شمار مسائل کو دیکھ کر اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ اس امت کے کسی طبقے کے

ساتھ دنیا میں کچھ الگ معاملہ بھی ہو رہا ہے، امتِ مسلمہ اس وقت جن حالات و واقعات اور مصائب سے گذر رہی ہے اس کا اصلی سبب تلاش کریں، تو واحد سبب یہی نظر آتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کو صحیح طور پر اپنانے اور اللہ کے دین کی نصرت اور سربلندی میں اپنا فریضہ انجام دینے میں عظیم کوتاہی برتی ہے اور مسلسل برت رہے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ پاک نے ذلیل و بے حیثیت قوموں کو خیر الامم پر مسلط کر دیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا، ماضی میں بھی واقعات کی روشنی میں اس بات کی سچائی کا یقین ہو سکتا ہے، ذیل میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا سوئی ہوئی آنکھیں کھولنے والا بیان کردہ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے؛ جس میں عبرت و نصیحت کا عظیم سامان امت مسلمہ کے لیے پنہاں ہے۔

فرماتے ہیں: ''میں مکہ معظّمہ میں تھا، تو اس وقت جو صیہونی انقلاب ہوا، اور مصر کے بعض علاقوں پر یہودیوں نے قبضہ کیا، اور مسجدِ اقصیٰ بھی ان کے ہاتھ میں چلی گئی، اس واقعہ کا سبب ایک مصری نے بیان کیا کہ جب یہودیوں کا غزہ پر قبضہ ہو گیا، تو وہاں سے مسلمان بھاگے کہ کسی طرح مصر کے علاقے میں پہنچ جائیں، جان بچے، آبرو بچے، اس میں ایک عالم بے چارے بوڑھے، اپنے بیوی بچوں کے ساتھ پیدل نکلے، ہانپتے کانپتے کہ 30 / 40 میل ہے العریش پہنچوں، اور وہاں سے مصر قاہرہ کی سرحد قریب ہے، میں کسی طرح قاہرہ پہنچ جاؤں، یہودیوں کا قبضہ ہو چکا تھا، اِدھر سے ایک یہودی کمانڈر کی جیب کار آ رہی تھی، یہ عالم بے چارے بچوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے جا رہے تھے، اسے کچھ رحم آیا، ان کے بڑھاپے پر، اُس نے جیب کار روک لی، اور اتر کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے اپنا نام بتلایا، کہاں جانا چاہتے ہیں؟ کہا: قاہرہ، کیوں؟ کیونکہ یہاں بھی بدامنی ہو گئی ہے، کہا: آپ کے پاس سواری نہیں؟ کہا: نہیں، سواری کچھ بھی نہیں، یہاں تو انقلاب ہو گیا، یہودیوں کا قبضہ ہو گیا، اس نے کہا: کہ مجھے آپ کے بڑھاپے پر رحم آ رہا ہے، آپ میری کار میں بیٹھ جائیں، میں آپ کو سرحد پر لے جا کر چھوڑ دوں گا، یہ بیوی بچوں کو ضعفاء کو کہاں آپ لیے پھریں گے؟ 40 میل ہے یہاں سے، پہلے انہیں شبہ ہوا کہ کہیں یہ بٹھا کے کہیں لے جا کر پٹخ نہ دے، پھر اس نے یقین دلایا کہ مجھے آپ کے بڑھاپے پر رحم آ رہا ہے، آپ یقین کیجئے میں آپ کو پہنچا دوں گا، یہ بیوی بچوں کو لے کر بیٹھ گئے، اس نے ایک خیمے میں لے جا کر انہیں اُتارا (یہ کیمپ مصریوں کا تھا، جس پر اب یہودیوں کا قبضہ تھا) کہ آپ تھوڑی دیر دم لیں، سانس لیں، میں کچھ کھانا لاتا ہوں، کھا پی لیں، پھر میں آپ کو پہنچا دوں گا، تو انہیں صوفے پر بٹھایا، اور خود وہ یہودی کمانڈر نیچے بیٹھ گیا، اور اس نے کہا کہ حضرت عمرؓ سے تو آپ واقف ہی ہوں گے؟ کہا: واقف کیا وہ تو صحابی ہیں، اور جلیل القدر خلیفہ نبی ہیں، کیا آپ ان کے کچھ اوصاف بیان کر سکتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں، انہوں نے حضرت

عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور کمالات بیان کرنا شروع کیے، وہ سنتا رہا، اس نے کہا: یہی اوصاف ہے نا حضرت عمرؓ کے؟ کہا یہی ہیں، کہا: کہ جب مسلمانوں میں یہ اوصاف تھے تو ہم یہودی ان کے جوتیوں کے نیچے تھے، آج آپ کی کیا حالت ہے؟ اس نے کہا کہ جس خیمہ میں میں نے آپ کو بٹھلایا ہے، یہ ایک مصری لیفٹیننٹ کا کمرہ ہے، کل 25 فوجی اس کے ماتحت ہیں، یہ اس کا خیمہ ہے، شراب کی بوتلیں اس میں سجی ہوئی ہیں، صوفے اس میں لگے ہوئے ہیں، جائز ناجائز عورتیں ان کے ساتھ تھیں، وہ یہودیوں سے لڑنے کے لیے آئے تھے، تو یہودی ان کے اوپر کیوں نہ غالب ہوں، جب حضرت عمرؓ کے اوصاف تھے تو یہودی آپ کی جوتیوں کے نیچے تھے، جب آپ کی حالت یہ ہوئی شراب وکباب کی، تو آج آپ کو ہماری جوتیوں کے نیچے ہونا چاہیے، آپ غم کیوں کررہے ہیں؟ اب یہ عالم چپ تھے، کیا جواب دوں، جو اس نے کہا وہ واقعہ ہے۔ بس! مجھے یہی بتلانا تھا، اب آپ چلیے، میں آپ کو پہنچادوں گا، اس نے جیپ کار میں بٹھا کر قاہرہ کی سرحد پر لے جا کر چھوڑ دیا، اور شکریہ ادا کیا، اور اس نے کہا: کہ ہم آپ کے دین کے مقابلے پر نہیں ہیں، آپ لوگوں کے مقابلے پر ہیں، آپ نہ اپنے دین کے ہیں، نہ ہمارے دین کے، آپ تو شراب وکباب میں مصروف ہیں، تو ہم آپ سے کیوں نہ لڑیں؟ کیوں نہ قبضہ کریں آپ کے اوپر؟ میں نے اس لیے کہا کہ آج وہی یہود ونصاریٰ جو جوتیوں کے نیچے تھے، آج وہ آپ کو نصیحت کررہے ہیں!

اتنا انقلاب پیدا ہوگیا، کیا تھے ہم، اور کیا ہوگئے، اس حالت کو بدلنے کی ضرورت ہے، اور اس کی پہلی بنیاد تعلیم وتربیت ہے کہ علمائے ربانی سے تعلیم پائیں، تدریس کے ذریعے قرآن وسنت کا علم حاصل کریں، اس پر عمل کرنے کی ٹریننگ حاصل کریں، اپنا ذوق اور فہم صحیح کریں، ان کی صحبت ومعیت میں رہ کر رنگ پیدا کریں، صِبْغَةَ اللهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً اللہ کا رنگ اپنے اندر داخل کریں، محض کتاب پڑھ لینا کافی نہیں ہے، اس رنگ کو بھی لینا ضروری ہے کہ قلب کا راستہ بھی صحیح ہو، وہ بغیر مجاہدہ اور ریاضت کے درست نہیں ہوتا، اس کی ضرورت ہے، یہ مدارس اور جو سچی خانقاہیں ہیں وہ اسی لیے قائم ہے کہ دلوں کو بھی درست کریں، قوالب کو بھی درست کریں، یہ کرنا پڑے گا، اور یہ نہیں کریں گے تو پھر اس کے لیے تیار ہوجائیں کہ سارے دشمن آپ پر غالب ہوں، اور آپ ان کے تحت مغلوب ہوں، آپ آئے تھے غلبہ پانے کے لیے، **لیظھرہ علی الدین کلہ** تاکہ اللہ کے دین کو دنیا کے دین پر غالب کردیں، جب آپ ہی میں خود وہ دین نہ ہو تو کاہے کو آپ کو غالب کریں گے، اس واسطے عبرت پکڑنے کی ضرورت ہے"۔ (تحقیقات حکیم الاسلام: ۱۷۶) اللہ تعالیٰ ہمیں موجودہ حالات کی سنگینی اور اس کے اسباب کو سمجھنے اور ان کو دور کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدِدُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کی توضیح وتشریح کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ ازمرتب

(۳۸) ارکانِ اربعہ کی حقیقت وحکمت

(ب) ارشاد فرمایا: نماز؛ نماز کے مقاصد کو پانے کے لیے پڑھیں، نماز انسان میں صفتِ عبدیت وتواضع اور اطاعت واتباع پیدا کرنے کے واسطے ہے، امام ہاتھ اٹھاتا ہے، مقتدی ہاتھ اٹھاتے ہیں، امام اللہ اکبر کہتا ہے، مقتدی اللہ اکبر کہتے ہیں، امام جھکتا ہے، مقتدی جھکتے ہیں، امام کھڑا ہوتا ہے، کھڑے ہوتے ہیں، تکبیرِ تحریمہ سے تسلیم تک اپنے امام کی مسلسل اتباع کرتے رہتے ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عبدیت وبندگی سکھاتا ہے؛ جب تم ہمارے حکم سے اپنے جیسے بندے کو آگے کھڑے کرکے اس کی اتباع ذرا بھی آگے پیچھے کیے بغیر اور ذرا بھی جھجکے بغیر کرتے ہو، تو پھر ہم تو تمہارے مالک وخالق ہیں، تو ہماری اتباع میں کوتاہی کیسے کر سکتے ہو؟ نماز کے ذریعے اللہ نے اپنی اتباع کرنا سکھایا، اس کو بار بار سوچنے کی ضرورت ہے، دن میں ہم پانچ دفعہ اپنے جیسے کسی بندہ کو آگے بڑھا کر اس کی پوری پوری اتباع کرکے دکھاتے ہیں، دو رکعت میں، تین رکعت میں، چار رکعت میں پوری پوری اتباع کا مظاہرہ کرتے ہیں، تو پھر پوری زندگی میں ہر جگہ ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا کہنا ماننا کیوں مشکل ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے کہنے سے آگے بڑھنا، اللہ تعالیٰ کے کہنے سے رکنا ہمارے اندر کیوں نہیں آرہا ہے؟ روزانہ پانچ دفعہ اس کی مشق کرائی جارہی ہے، ہر معاملے میں بس اللہ کا کہنا ماننا، ادھر ادھر نہیں ہونا، ٹھیک ٹھیک اتباع کرنا، بہرحال نماز سے یہ صفت پیدا ہونی چاہیے۔

(ج) اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت سے مقصود دنیا کی محبت نکل کر حب آخرت پیدا ہو جانا اور انسانی ہمدردی

کا مزاج بنتا ہے، جب آدمی غرباء کے لیے اپنے کمائے ہوئے مال میں سے کچھ مال نکالتا ہے، جس میں سے ایک پیسہ بھی اگر وہ نہ نکالنا چاہے تو نہ کوئی مجبور کر سکتا، نہ کوئی کچھ چھین سکتا ہے، نہ دینا چاہے تو کوئی اس سے لے بھی نہیں سکتا، مگر زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنے دل کی خوشی سے نکالتا ہے، سالانہ کتنے ہی پیسے نکال دیتا ہے، اس کے علاوہ ماہانہ نکالتا رہتا ہے، اور روزانہ نکالتا اور خرچ کرتا ہے؛ غور کرنا چاہیے کہ یہ مال ہم سے کیوں خرچ کرایا جاتا ہے؟ تاکہ ہمارے اندر مواسات (یعنی انسانی ہمدردی اور غم خواری) کی صفت پیدا ہو جائے، کہ کسی کی تکلیف ہمیں گوارا نہیں ہے، ہم اپنی خوشی میں ہر انسان کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں، ہم اپنے کھانے میں ہر انسان کو کھاتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، بھوکا نہیں دیکھنا چاہتے ہیں، ہم کپڑے پہنیں گے سب انسانوں کو کپڑے پہنتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، زکوٰۃ کے ادا کرنے سے یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور نفل انفاق سے، خیر خیرات کرنے سے بھی یہی مقصود ہے، بہرحال فرائض ہوں یا نوافل؛ جو عبادتیں بھی ہمیں دی گئی ہیں، ان کے ذریعے کوئی خاص صفت اور کوئی خاص رنگ اللہ ہم میں دیکھنا اور پیدا کرنا چاہتے ہیں، یہی چیزیں ہمارے مدنظر رہنا چاہیے۔

(د) حج کیا ہے؟ دنیا بھر سے لوگ لاکھوں روپے خرچ کر کے ایک خاص جگہ پر جاتے ہیں، اور وہاں پر خالی گھومتے پھرتے رہتے ہیں، اس کے علاوہ کھانا، پینا، سونا سب جاری رہتا ہے، سوچنا چاہیئے کہ حج کے اس عمل کا فائدہ کیا ہے؟ طواف کرنا، منیٰ جانا، عرفات پہونچنا اور پھر عرفات سے مزدلفہ آنا، وہاں سے کہیں اور جانا، کوئی خاص کام تو ہے نہیں، اس لیے کہ انسان جب کسی کو محبوب بناتا ہے تو اپنے اس محبوب سے اس کو دیوانہ وار تعلق ہوتا ہے، دل ہار جاتا ہے، جیسے دنیا کے کسی محبوب کی کھوج میں تلاش میں اس کے گاؤں میں چلا جاتا ہے، اس کے محلے میں زیادہ پھرتا رہتا ہے، وہاں کام بھی کچھ نہیں ہے، اپنا گھر دوسرے محلے میں ہے، پھر بھی وہ اس محلے میں پھرتا رہتا ہے کہ شاید اتفاق سے محبوب کہیں نظر آ جائے، اس کے لیے بے چین رہتا ہے، پلٹ پلٹ کے اس کے گھر کو دیکھتا رہتا ہے، اس کے دروازے اور کھڑکی کو دیکھتا رہتا ہے، شاید کھڑکی کھولنے آئے تو نظر آ جائے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوق عریانی
کوئی کھینچے لیے جاتا ہے خود جیب و گریبان کو

یہ ایک منظر ہے، ایک نقشہ ہے، اللہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ تم اللہ کے عاشق ہو، اللہ کو اپنا محبوب اور مولا مانتے ہو، جاؤ اس کے گھر کو، اس کے گلیوں میں پھرو، شاید کہیں جھلک نظر آ جائے، کچھ مل جائے، کبھی تو دکھ جائے، اسی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہو، اس لئے اس کے در پہ جاتے ہیں، اس کے محلے میں جاتے ہیں، مکہ اس کا شہر ہے، حج اور عمرہ کے عمل سے آدمی یہ سمجھے، اور یہ سیکھے کہ میرا ایک محبوب ہے اور میں اس پہ قربان ہوں اور اس

کی تلاش میں بے چین رہتا ہوں، وہ ملنے کے لیے نماز کا راستہ بتائے تو نماز، روزہ کا راستہ بتائے تو روزہ، جو کہے وہ کریں گے، کبھی تو مل جائے، کہیں تو مل جائے۔ تو وصالِ حبیب کے چکر میں پوری زندگی گزار کر ایک دن موت آئے گی، پھر اللہ مل جائیں گے، اور بہت خوشی سے مل جائیں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جتنی بھی عبادتیں ہیں اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بندہ میں عبدیت کی صفت پیدا کرنا چاہتے ہیں، اپنی عبادتوں کو صرف بوجھ اٹھانے کے لئے نہیں کرنا چاہیے، گویا ہم بوجھ اٹھا رہے ہیں، نماز کا بوجھ اٹھا رہے ہیں، روزہ کا بوجھ اٹھا رہے ہیں، عبادتوں کو بوجھ مت سمجھو، عبادت کو اس لیے کرو کہ اس کے ذریعے اللہ جو صفت بندہ کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ صفت بندہ اپنے اندر پیدا کرے، نماز سے نماز والی صفت، روزہ سے روزہ والی صفت، زکوٰۃ سے زکوٰۃ والی صفت، جہاد سے جہاد والی صفت۔

امام غزالیؒ نے 10 چیزوں کو عبادات ظاہرہ میں شمار کیا، یہ جتنی عبادتیں ہیں، ہر عبادت کوئی نہ کوئی شان بندہ میں پیدا کرتی ہے، اور ان دسوں شانوں کے مجموعے سے بندہ بندہ بن جاتا ہے، اور جب بندہ بن جاتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما لیتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۹ سے)

۸۔ ان سب سے بڑھ کر خدائی فرمان ''لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم'' کو ملحوظ رکھیں اور اپنی عملی حالت کو بہتر بنائیں، یہ سب شومی قسمت سے زیادہ شامت اعمال کا نتیجہ ہے، بقول حضرت شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم ''مسلمان احوال بدلنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ وہ اس کے تصرف سے باہر ہے اور اعمال کے اصلاح کی کوشش نہیں کرتا جو کہ اس کے بس کی بات ہے، ہم اپنے اعمال درست کر لیں اللہ پاک ہمارے احوال درست کر دیں گے'' غرض ''شامت اعمال ما صورت نادر گرفت'' اس لیے عوام میں اصلاح کا مشن جاری رکھیں اور اپنے نسلوں کی پاک جذبات کے ساتھ تربیت کی سعی کریں۔

۹۔ آخری بات! یہ سب اسباب کے درجے میں کرنے کے کام ہیں اور ہمارے تمام تر اسباب و مساعی اسی وقت کارگر ہوں گے جب کہ مسبب الاسباب اللہ ربّ العزت کی جانب سے مدد نازل ہو، لہٰذا خدا تعالیٰ کے سامنے استدعا والتجا برابر جاری رہے، اگر وہاں ہماری دعائیں قبول ہو جائیں تو بدون اسباب کے بھی وہ عالم کا نقشہ بدلنے پر قادر ہیں، غرض ظاہری اسباب کے ساتھ دعاؤوں کا اہتمام کرنا نبوی طریقہ ہے، اس لیے اللہ پاک کے سامنے قوم مسلم کی بہتری و فلاح کے لیے اور دشمنان اسلام کے منصوبوں کی ناکامی کے لیے دعا کرتے رہیں؛ تمام تدابیر میں سب سے اہم تدبیر دعا ہے۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

”خانقاہِ سعیدیہ“ میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء و عوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارہ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

عجلت اور جلد بازی کا مرض اور اس کا علاج

سوال(۴۹): میری طبیعت میں ہر کام میں عجلت بہت ہے، خیر خواہی میں بھی جلدی کرتا ہوں غصے میں بھی جلدی کرتا ہوں، برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

جواب: عجلت وجلد بازی ہر کام میں مضر اور نقصان دہ ہے، اور عجلت ایک کمی ہے، اس کمی کو ختم کرو، اور اس کی عادت بناؤ کہ کوئی بھی چیز کا فیصلہ کرنے میں جلد بازی نہ کرو، رکو، غور کرو، کافی سوچنے اور سمجھنے کے بعد مناسب ہے تو نافذ کرو اور اگر مناسب نہیں ہے تو فیصلے سے رک جاؤ، اس کی پریکٹس کرنے سے انشاء اللہ عادت بدل جائے گی، اور طبیعت میں عجلت کی بہ جائے حلم و انائت پیدا ہو جائیں گے۔

ہر وقت کے لحاظ سے جو مسنون ادعیہ و اذکار ہیں انہی کا اہتمام کرنا

سوال(۵۰): دن کے اوقات میں دیگر کاموں کے ساتھ زبان کو ذکر میں مشغول رکھنے کی کوشش کرتا ہوں، جیسے استغفار وغیرہ لیکن جیسے ہی ذہن ذکر سے ہٹ جاتا ہے تو زبان پر خود بخود درود شریف آجاتا ہے، اور درود پڑھنے لگتا ہوں، اور اسی طرح سیڑھی چڑھتے اترتے وقت اکثر مسنون کلمات کے بجائے زبان پر ”درود شریف“ آجاتا ہے، کیا میرا یہ عمل درست ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: بے شک زبان کا درود شریف کا اس قدر عادی ہو جانا سعادت وشرف اور خوش قسمتی کی بات ہے، لیکن جس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہم دعائے رحمت کرتے ہیں اس نبی کے طریقے اور طرزِ زندگی کو اختیار کرنا اس سے بھی بڑی سعادت ہے؛ کیوں کہ ان کی بعثت ہوئی ہی اس لیے ہے کہ ان کا کہنا مانا جائے ان کے طریقے پر چلا جائے، باقی درود شریف اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان سے قرب بڑھے، اور وہ اس کے محتاج بھی نہیں ہیں؛ کیوں کہ وہ محبوب کبریا ہیں، ان کو ہمارے درود کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے آپ درود شریف کا اہتمام تو ضرور کریں؛ لیکن اس کے ساتھ سنت کے اتباع میں کوتاہی بھی نہیں ہونا چاہیے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی سنت یہ ہے کہ جب اوپر چڑھتے تو "تکبیر" (اللہ اکبر) کے کلمات کہتے بلندی کے تصور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے بلند ہونے کا استحضار ہونا چاہیے، اور جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نیچے اترتے تو "تسبیح" کے کلمات (سبحان اللہ) کہتے، کیوں کہ نیچے اترنا یہ تنزل اور گراوٹ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے محفوظ اور مبرا ہے، پس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہی ہے کہ ہر بلندی پر خدا کے بلند ہونے کو اور ہر پستی میں خدا کے پست نہ ہونے کو یاد رکھا جائے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں نحن اذا صعدنا کبرنا و اذا نزلنا سبحنا(بخاری:2994) اس لیے آپ ہمیشہ یہ دھیان میں رکھیں کہ خاص مواقع میں جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اسی کو اختیار کریں؛ ورنہ بسا اوقات کوئی اچھا عمل ہماری ایک خواہش بن جاتا ہے تو وہ محض خواہش بن کر رہ جاتا ہے، عبادت نہیں رہ پاتا، اس لئے درود شریف کا اہتمام بھی وقفے وقفے سے ہوتا رہے اور باقی تمام اذکار کو ان کے اپنے مواقع پر پڑھتے رہنا چاہیے۔

گندے خیالات سے بچنے کا طریقہ

سوال (۵۱): میں ایک نوجوان ہوں، میرے دل میں ہمیشہ گندے خیالات آتے رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ نماز میں بھی، ایسے خیالات سے بچنے کے لیے کوئی عمل بتائیے۔

جواب: خیالات نہ آپ کے اختیار میں ہیں نہ ہمارے اختیار میں ہیں؛ البتہ خیالات کے اسباب ہمارے اختیار میں ہیں، اس سے ہمیں احتیاط کرنا چاہیے؛ جیسے گندے مناظر دیکھنا اس سے بچنا اپنے اختیار میں ہے، پردے کا اہتمام نہ کرنا، تصویر دیکھنا، عورتوں کے رہنے کی جگہوں پر جانا، جب تک آپ ان اسباب کو ترک نہیں کریں گے دعا وظیفے سے کچھ کام نہیں بنے گا؛ اس لیے خیالات کی حفاظت کے واسطے ان سب چیزوں کو ترک کرنا ضروری ہے، باقی عمل کے طور پر اس دعا کا اہتمام کرلیں: اللھم اغفر ذنبی و طھر قلبی و حصن فرجی۔

علاماتِ کبر حدیث شریف کی روشنی میں

سوال (۵۲): ہمارے اندر کبر ہے یا نہیں یہ کیسے پتہ چلے گا؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا یا رسول اللہ! ہم بازار جاتے ہیں جوتا اچھا لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ خرید کے پہن لیں، کپڑے اچھے پہنیں، کیا یہ کبر ہے؟ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے جواب میں فرمایا: کبر دو چیزوں کا نام ہے بَطرُ الحق و غَمطُ الناس یعنی حق بات کو قبول کرنے میں ہچکچانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا، (مسلم: ۹۱) یہ پیمانہ اور محک آپ ﷺ نے ہم کو دے دیا ہے، اپنی عادتوں، اداؤں کو اس کی روشنی میں دیکھو، اگر یہ نہیں ہے تو مطمئن رہو، اور اگر یہ ہے تو علاج کراؤ۔

ادعیۂ مسنونہ کے اہتمام کا طریقہ

سوال (۵۳): مسنون دعاؤں کا اہتمام نہیں ہو رہا ہے، بھول جاتا ہوں، علاج تجویز فرمائیے۔

جواب: بھول سے بچنے کے دو طریقے ہیں؛ ایک تو یہ ہے کہ اپنے کسی بے تکلف ساتھی سے یہ سمجھوتا کر لو کہ اگر مجھ سے ان دعاؤں کے پڑھنے میں کوتاہی ہو تو یاد دلایا کرے، کچھ دنوں میں اس سے مشق ہو جائے گی، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود مشق کرنا سیکھ لو، یعنی اگر کسی کام کے وقت مسنون دعا بھول گئے تو وہ کام دوبارہ دعا پڑھ کے کرو، جیسے اگر مسجد میں سنت طریقے کے بغیر داخل ہو گئے ہوں تو پھر باہر نکلو، اور سنت طریقے سے داخل ہو جاؤ، انشاء اللہ اس سے عادت بن جائے گی۔

حسد کے مرض کا علاج

سوال (۵۴): مجھے بسا اوقات کسی غیر مسلم کی اچھی گاڑی وغیرہ نعمتیں دیکھ کر حسد ہوتا ہے، علاج فرمائیں۔

جواب: غیر مسلم سے بھی حسد کیوں کیا جائے؟ کیوں کہ اس کو دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دنیا کو اس کی جنت بنا دیا ہے، اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے ہی اس کو دیا ہے تو ہمیں اس پر اشکال کرنے کا کوئی حق نہیں، دوسرے یہ کہ یہ ان کی جنت ہے تو ان کی جنت میں انہیں کچھ مل جائے تو حسد کرنا تو دور کی بات ہے، زیادہ دھیان دے کے دیکھنا بھی منع ہے۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ (سورۂ طٰہٰ: ۱۳۱)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

مجلس شہادت

سوال: محرم کے عشرۂ اول (ابتدائی دس دنوں) میں شہادت کا بیان کرانا کیسا ہے؟ اور ایسی مجلس میں شریک ہونا کیسا ہے؟

جواب بیانِ شہادت کے لیے مجلس منعقد کرنا بدعت ہے، ہاں! وعظ وتذکیر کے لئے جائز ہے بشرطیکہ یہ وعظ ونصیحت کسی دن کی تعیین والتزام کے بغیر ہو، نیز اس میں صحیح اور معتبر روایات بیان کی جائیں، غیر مشروع اقوال وافعال سے اجتناب کیا جائے۔ (کفایت المفتی،۱/ ۲۰۱)

تعزیہ بنانے کا شرعی حکم

سوال: تعزیہ بنانا اور اس میں شرکت کرنا، کیسا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے؟

جواب: تعزیہ بنانے اور اس میں شرکت کرنے کی دو صورتیں ہیں: ۱۔تعزیہ کے اندر غیبی اور خدائی طاقت وتاثیر کے اعتقاد سے بناتے ہیں اور شرکت کرتے ہیں اور اس اعتقاد سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، تو یہ شرکِ اعتقادی ہے، اس کی وجہ سے ایسا شخص ایمان سے خارج ہوجاتا ہے، اور بیوی حرام ہوجاتی ہے۔

۲۔محض ظاہری تعظیم کے لئے رسما اور رواجا بناتے ہیں اور سجدۂ تعظیمی کرتے ہیں، لیکن خدائی طاقت وتاثیر کا اعتقاد نہیں رکھتے تو یہ شرک عملی ہے اس کی وجہ سے ایسا شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا؛ بلکہ فاسق ہوتا ہے، اس کی وجہ سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ قاسمیہ، ۲/ ۳۰۸)

عاشورہ کے روزہ کی شرعی حیثیت

سوال: عاشورہ کے روزہ کی کیا حیثیت ہے؟ کیا صرف عاشورہ کا روزہ رکھنا درست ہے؟

جواب: عاشورہ کا روزہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وعمل سے ثابت ہے، البتہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بتلایا گیا کہ یہود شکرانہ کے طور پر عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آئندہ سال عاشورہ کے روزہ کے ساتھ نومحرم کو بھی روزہ رکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا جس کی بنا پر فقہاءِ کرام نے عاشورہ کے ساتھ نومحرم کے روزہ کو مستحب قرار دیا ہے اور مشابہتِ یہود کی بنا پر صرف عاشورہ کا روزہ رکھنے کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے، تاہم اگر کسی بنا پر تین یا دو روزے رکھنا دشوار ہو تو صرف عاشورہ کا روزہ رکھ لینا چاہیے؛ تاکہ اس کی فضیلت سے محرومی نہ ہو۔ نیز حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عاشوراء کے روزہ کی تین شکلیں ہیں: (۱) نویں، دسویں اور گیارہویں تینوں کا روزہ رکھا جائے، (۲) نویں اور دسویں یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھا جائے، (۳) صرف دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ ان میں پہلی شکل سب سے افضل ہے، اور دوسری شکل کا درجہ اس سے کم ہے، اور تیسری شکل کا درجہ سب سے کم ہے، اور تیسری شکل کا درجہ جو سب سے کم ہے اسی کو فقہاء نے کراہتِ تنزیہی سے تعبیر کر دیا ہے، ورنہ جس روزہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھا ہو اور آئندہ نویں کا روزہ رکھنے کی صرف تمنا کی ہو اس کو کیسے مکروہ کہا جا سکتا ہے۔ (العرف الشذی شرح سنن الترمذی (2/177))

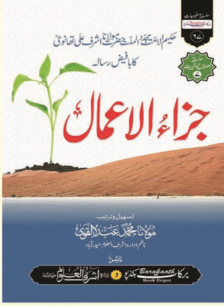
ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت

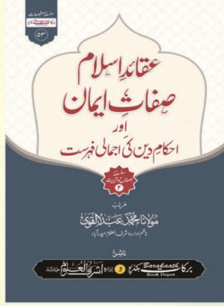
سوال: ماتم کی مجلس اور تعزیہ کے جلوس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

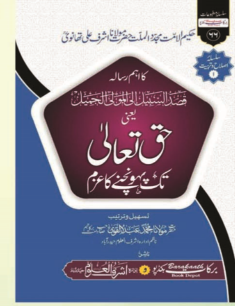
جواب: عشرہ محرم میں مسلمانوں کی کثیر تعداد ماتم کی مجلسوں میں، اسی طرح دسویں تاریخ کو تعزیہ کے جلوس کا نظارہ کرنے کے لیے جمع ہو جاتی ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے؛ حالانکہ اس کے اندر کئی گناہ ہیں: (۱) ایک گناہ تو اس میں یہ ہے کہ ان مجالس اور جلوس میں شرکت کرنے سے دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رونق بڑھتی ہے؛ جب کہ دشمنوں کی رونق بڑھانا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم" (کنز العمال ۹/۳۶) یعنی جس نے کسی قوم کی رونق بڑھائی وہ انھیں میں سے ہے۔ (۲) دوسرا گناہ اس میں یہ ہے کہ جس طرح عبادت کا کرنا اور دیکھنا اور اس سے خوش ہونا باعثِ اجر و ثواب ہے، اسی طرح گناہوں کے کاموں کو بخوشی دیکھنا بھی گناہ ہے، ظاہر ہے کہ ماتم کی مجلس میں جانا اور تعزیہ نکالنا یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ (۳) تیسرا گناہ یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہے، وہاں اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور ایسی غضب والی جگہ پر جانا بھی گناہ سے خالی نہیں، غرض کہ ان مجلسوں اور جلوسوں سے بھی احتراز کرنا لازم ہے۔

(مستفاد احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۹۳، خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۳۶)

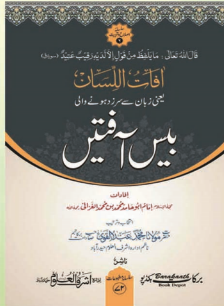
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd July-25, Date of Posting 5th July-25

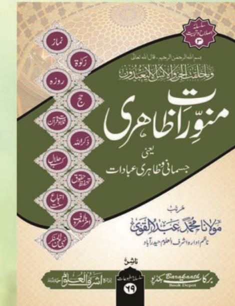


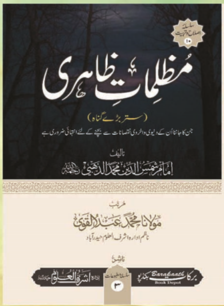


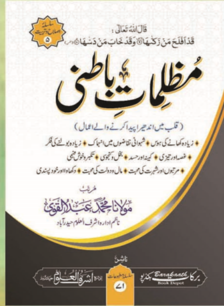


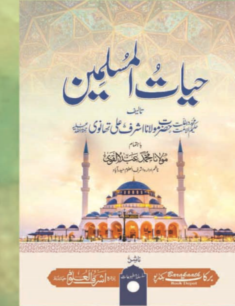












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi